سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر

دربار علم

علم جدید میں تحقیقات انکشافات کا بے مثل صحیفہ

حضرت مولینا محمد عبدالماجد صاحب القادری البدایونی

پریزیڈنٹ آل انڈیا خلافت کانفرنس کلکتہ

صدر جمعیت العلمائے ہند

و پریزیڈنٹ مجلس خلافت صوبجات متحدہ

کی

معرکۃ الآرا تصنیف

جسکو باخذ حقوق تالیف دوامی ملک محمد الدین صاحب منیجنگ ڈائرکٹر

نے

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین کیلئے شایع کیا

اسلامیہ سٹیم پریس بیرون لوہاری دروازہ لاہور

میں باہتمام مولوی عبدالرشید

منیجر چھپا

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین

ڈائرکٹر صاحبان

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بی۔اے آکسن ایل۔ایل۔ڈی بیرسٹرایٹ لاء لاہور۔
(۲) شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لاء گجرات۔
(۳) سردار محمد عبداللہ خاں صاحب افسر خزانہ بغداد شریف۔
(۴) رحمت اللہ خاں صاحب پریذیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ کیلی فورنیا
(۵) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین مینجنگ ڈائرکٹر

یہ کتاب اور دیگر کئی نادر و بیش قیمت کتابیں صوفی پرنٹنگ کمپنی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں اس کے اراکین جنہوں نے پچیس یا زیادہ حصے خریدے حسب ذیل صاحبان ہیں

(۱) حضرت سجادہ نشین صاحب جلالپور شریف (۲) بابو دیال داس صاحب کھچھ ہیڈ کلرک سپلائی ٹرانسپورٹ بوشہر ایران ساکن بکی مروت ضلع بنوں (۳) کپتان جمال الدین صاحب بہادر آئی۔ایم۔ایس (۴) جمعدار عطا محمد صاحب ساکن بہوڑ حال ۲۴/۱۲ فرنٹیئر فورس علیپور (۵) ایم۔ایم اسلم خاں صاحب پیٹر ہوس کالج کیمبرج (۶) ملک دیارام صاحب پنجاب پولیس گجرات (۷) چوہدری عالم دین صاحب آف سہنہ انسپکٹر ڈاکخانہ جات لورالائی بلوچستان (۸) شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لاء گجرات (۹) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور (۱۰) پروفیسر شیخ محمد جمیل صاحب اورسیر کنوڈ جی۔آئی۔پی۔ریلوے (۱۱) رحمت اللہ خاں صاحب پریذیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ (۱۲) ایک خاتون معرفت ایڈیٹر صاحب صوفی (۱۳) ملک محمد اکرم خاں صاحب زمیندار پنڈی بہاؤالدین (۱۴) بابو معراج دین صاحب کلرک لوکو سپرنٹنڈنٹ آفس یوگنڈا ریلوے کلینڈانی ممباسہ (۱۵) پسران ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی وشرکت نامہ (۱۶) محمد عبدالستار صاحب جنرل مرچنٹ للرخ (۱۷) ڈاکٹر عبدالواحد صاحب پاپولر ڈسپینسری سرینگر کشمیر (۱۸) بابا غدین صاحب یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ (۱۹) نور الدین صاحب براڈرک امریکہ (۲۰) فوجدار خاں صاحب براڈرک امریکہ (۲۱) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی (۲۲) پیر بخش ولد فیض محمد صاحب براڈرک یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ (۲۳) سردار محمد عبداللہ خاں صاحب بہادر افسر خزانہ بغداد شریف (۲۴) مولانا محمد محی الدین صاحب ریٹائرڈ چیف جسٹس ہائیکورٹ دکن حال ...

فہرست مضامین

الا لیعبدون کی تفسیر۔ وجود ملائکہ کی بحث اور عقلاً اس کا ثبوت۔ استبعاد
عقلی اور ہر غیر محسوس شے کے وجود سے انکار کرنا غلط ہونا۔

از صـ ۴۳ تا صـ ۶۰ دربار کا چوتھا دن۔ اور علامہ امام غزالی کی تقریر۔ بعثت سرکار عالم کی ضروری
ابحاث اور ضرورت رسالت کا ثبوت اور صداقت رسالت سرکار عالم کے دلائل
اور حضور سرکار عالم کا تعلیم مکارم اخلاق دنیا جس میں معاد و معاش کی اصلاح
کے چند پہلو۔ اور آٹھ مقامات اخوت و اصلاح کی تفصیل۔ پھر حقوق خصوص
جس میں باپ بیٹے زن و شوہر رعایا و بادشاہ کے حقوق۔ اس بحث میں حب
و بغض کا مسئلہ۔ مبتدعین سے منافرت کا فلسفہ اور اسی ضمن میں تعلقات
من حیث النوع۔ اور من حیث القوم اور من حیث المذہب کی تشریح

از صـ ۶۱ تا صـ ۹۳ پانچواں دربار۔ اور تقریر علامہ محدث دہلوی۔ جس میں کتاب اللہ اور کتاب
الرسول کی تعلیم خیر کا بیان اور اقوال و ارشادات سرکار نبوت کا عین
حکم خدا ہونا اور حدیث کی ضرورت و جلالت شان۔ حدیث کے معنے حدیث
کے اقسام اور پھر متعلق قبول و عدم قبول حدیث صحت و ضعف حدیث
جملہ اقوال اختلافیہ اور قول فیصل۔ مدلس و مطعون و مبتدع کی روایات کے
قبول و عدم قبول کا فیصلہ ہے وضع و کذب پر بسیط محاکمہ۔ فسق فی العمل
و اتہام کا بیان۔ بدعت کی تعریف۔ جہالت و مجہولیت راوی کا بیان۔ اس
کے بعد طبقہ محدثین کا مختصر تذکرہ و اہل مغرب کی رائے متعلق صحاح۔

از صـ ۹۴ تا صـ ۱۲۷ چھٹا دربار۔ اور حضرت علامہ بحر العلوم کی تقریر۔ نماز روزہ۔ حج زکوٰۃ کا
تفصیلی بیان۔ اسرار فرائض و فلسفہ احکام اور ضروری مسائل و شرائط عبادات
اور ان کے اوقات اور طرق اور ادعیہ ماثورہ وغیرہ وغیرہ مفسدات
و نواقض و موانع فرائض اور سب کی تفصیل آمین بالجہر۔ قراءت فاتحہ

تمہید

میں بکمال مسرت اپنی اس قدیم تصنیف کو صوفی پرنٹنگ و پبلشنگ کمپنی کو ہدیہ کرتا ہوں۔ نہ فقط ملک محمد الدین صاحب کے کارخانہ صوفی کی گذشتہ خدمات علیہ اس کا سبب ہیں۔ بلکہ مستقبل کی امیدیں اور انکی جدید کمپنی کا تقرر بھی اس کا محرک اعظم ہے۔

مجھے بمکرر اعتراف و اقرار ہے کہ یہ تصنیف "دربار علم" ایسی نہ تھی اور نہ اس فرصت و مشغولی کیساتھ لکھی جاسکتی تھی۔ جو ملک و قوم کے سامنے پیش کی جاتی۔ ایک وقتی مشغلہ کا سلسلہ اسکا باعث ہوا تھا۔ مگر حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے میری مدد کی اور محض قدرت کی قوت نے میرے دل و دماغ کو ترتیب و تدوین میں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا۔ جس کے بعد وہ وقتی مشغلہ ایک مکمل صحیفہ اور اور کامل کتابی صورت میں نظر آنے لگا۔ فللہ الحمد والمنتہ۔

تعارف کے سلسلہ میں جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔ متعدد ادبی و علمی صحبتوں میں اس کو سراہا گیا۔ اور اس طرز بیان و تالیف کی شان اداؤں کو بہت کچھ مفید و جدید بتایا گیا۔ اور طبع اشاعت کے بعد سے اب تک اکثر قوم کو اہل علم و ارباب تصنیف نے اس کو ایک "خوبصورت تصنیف" کا لقب دیا۔ اور میرے پاس بہت تھوڑی مدت میں بجز دو جلدوں کے اور نسخہ باقی نہ رہا۔ اور اب مزید مسرت و بہجت کا یہ موقعہ ملا کہ نامور صوفی کمپنی کو حق تالیف دینے میں مجھے اس کے دوبارہ اشاعت کا زمانہ دیکھنا نصیب ہوا۔ ولہ الحمد اولاً و آخراً و منہ البدایتہ والیہ النہایتہ۔ میں نے چاہا کہ اس دوسرے ایڈیشن میں کچھ اضافہ و ترمیم ہو جائے۔ مگر افسوس کہ خدمات حاضرہ و قومی تحریکات دائرہ کے سبب قطعاً موقع نہ ملسکا۔ نیز بعض احباب کا اصرار ہوا۔ اول میں میری تصویر ہو اور اس صفحہ پر جہاں عکس مصافحہ و رسم السلام علیکم ہے۔ مصنف کا فوٹو نمایاں کیا جائے۔ یہ خواہش اب سے قبل یا یہ اصلاح پہلی طبع کے بعد سے بھی بعض مخلصین کیطرف سے ہوتی رہی ہے۔ مگر چونکہ میں اب تک ارادتاً و علماً ہمیشہ اپنی تصویر کھینچوانے میں اپنے بزرگان طریقت و اسلاف عظام کے مسلک کے مطابق گریزاں و انکار کرنیوالا رہا ہوں۔ لہٰذا اس ایڈیشن کے لیئے بھی یہ جرأت مجھے نہیں ہوسکی اور یہ رسم عام بھی مجھے بھلی نہ معلوم ہوئی۔ باقی کتاب و مضمون کتاب کے متعلق میں "تعارف" کے زیر عنوان جو کچھ لکھ چکا ہوں۔ اس سے زائد نہیں لکھنا چاہتا۔ عنوان تعارف میں ایک مختصر سا کلام ان بعض دماغوں کے جوابات کے متعلق ہے۔ جنہوں نے اس مجموعہ والے طرز تحریر کے متعلق کچھ شکوک ظاہر کئے تھے۔ لہٰذا انہیں کے کلام سے اس قسم کا ثبوت و جواز دکھا دیا گیا تھا۔ اب انہیں کے بعض اکابر تو رحلت کر چکے۔ اور میدان ہی جاتا رہا۔ اور وہ لطف تحریری نہ رہا۔ مگر چونکہ ایک اصولی مسئلہ یعنی خیال کو واقعہ کی صورت دیکر بیان کرنا چند سطور سے ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے ان سطور کو باقی و موجود رکھا۔ اور پہلی طبع کی بالکل اصلی شان پر ہی دوسرے ایڈیشن کے لئے کتاب کو صحیح کیا۔ والسلام

عبدالماجد قادری۔ یکم مارچ ۱۹۲۳ء مطابق رجب ۱۳۴۱ھ

دار التصنیف بدایوں

تعارف

یہ تحریر جس کا نام "دربار علم" ہے کیا ہے۔ اور کب اور کیوں لکھی گئی ہے۔ اور کس طرح شائع ہوئی ہے۔ اس کے لئے چند سطور پر نظر ڈالنے کی تکلیف فرمائیے۔

ایک دینی تقریب کی غرض سے اس زمانہ میں بمبئی کا سفر ہوا جبکہ ہند کے دار السلطنت دہلی میں دربار کا ہنگامہ اپنی گرم بازاری دکھا رہا تھا۔ اس سفر میں عمی خواجہ محمد عبد اللہ صاحب ہمراہ تھے۔ جن کو اپنے وطن دہلی کی آرائشیں دیکھنے کا خیال بار بار ہوتا تھا۔ بمبئی پہنچکر بھی یہی تذکرہ آیا۔ کہ اگر فقیر بمبئی آنے میں عجلت نہ کرتا۔ تو خواجہ صاحب بہار دربار دیکھ آتے۔

اس تذکرہ کے بعد خیال پیدا ہوا کہ کسی علمی تخیل سے رفقائے سفر کو ایسا محظوظ کیا جائے کہ ان کا سیر دہلی و بہار دربار نہ دیکھ سکنے کا خیال علمی و روحانی مناظر کی سیروں اور بہاروں سے بہل جائے۔ بلکہ لطیفۂ قلبیہ کو مسرت و لطف پہنچائے۔ اس خیال کو صورت ظہور کے قالب میں ڈھالنے کے لئے فرصت و وسعت وقت کی ضرورت تھی جو سفر میں غیر میسر۔ اکثر وقت احباب و عقیدت مندان حضرت جد امجد قدس سرہ کا مجمع رہتا۔ تحقیق مسائل وغیرہ ہوتی رہتی۔ سیٹھ پیر محمد صاحب کے یہاں قیام تھا۔ مگر مہمانی سیٹھ عبد الکریم بیگ محمد نے اپنے یہاں مقرر کی تھی۔ دونوں وقت انکے مکان پر جانا ہوتا۔ اور جتنی دیر اہتمام طعام و انتظار احباب میں ہوتی۔ اس وقت بس صرف اسی وقت میں کچھ لکھا جاتا۔ جو دو تین روز تک تو معلوم و مفہوم بھی نہ ہو سکا کہ کیا ہے مگر جب دو تقریریں ایک صورت ظاہر کرنے لگیں تو بسم اللہ کہکر خواجہ صاحب سے کہا کہ دلی کا دربار تو آپ نہ دیکھ سکے۔ حضرت علم کے دربار کی بہار دیکھ لیجئے۔ مدرسہ احمدیہ بمبئی میں حضرت مولانا عمر الدین صاحب ہزاروی و مولوی عبد الرزاق صاحب

ساکن بمبئی و مولانا محب احمد صاحب مرحوم بدایونی و مولوی عبدالحمید صاحب آنوی و مفتی
مولوی ابراہیم صاحب بدایونی کی موجودگی میں دربار کی شروع کی دو تقریریں پڑھی گئیں
اور بے حد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئیں۔ امید و خیال سے زائد اس تحریر کو سراہا
گیا۔ مولوی حافظ عبدالحمید صاحب کا جذبۂ بے اختیاری تو کمال حسن ظن کا اظہار کر رہا
تھا۔ لکھنے والے نے ایک وقتی مشغلہ نکالا تھا۔ اور مختصر اوقات میں بغیر غور و فکر
یہ ترتیب دی تھی۔ مگر سننے والوں نے اس کو بہت کچھ بڑھایا اور کار آمد کہتے ہوئے
اتمام و تکمیل کی فرمائش شروع کر دی۔ عمی خواجہ صاحب کے اصرار سے بمبئی میں
ہی امام رازی کی تقریر بھی لکھی گئی۔ معاودت وطن پر اکثر احباب نے اس کو سُنا۔
اور جس نے سُنا تکمیل کا اصرار کیا۔ بالخصوص مولوی علی احمد خاں صاحب پروفیسر
آگرہ کالج و مولوی سید دیانت حسین صاحب مر بھنگوی کے اصرار نے مجبور
کر کے ایک اور تقریر علامہ غزالی کی لکھوائی۔ اور پانچواں دربار بھی شروع ہو گیا۔
مگر اسی اثنا میں حیدر آباد دکن کا سفر درپیش ہوا۔ حیدر آباد میں حضرت بحر العلوم
مولانا الحاج مفتی محمد انوار اللہ خاں صاحب معین المہام امور مذہبی دکن اور جامع
کمالات مولانا سید شاہ محمد عزیز صاحب مرحوم و سید محمد علی صاحب وغیرہ علم نواز حضرات
نے اس کو سُنا اور راقم کی حوصلہ افزائی اور اپنے وسعت اخلاق سے اس تحریر
کی بہت کچھ تعریف فرمائی۔ صرف ان حضرات کی یہ حوصلہ افزائیاں میرے لئے
ایک سہارا نہیں۔ ورنہ اپنی حالت اور اس تحریر کو دیکھتے ہوئے تو یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا
کہ یہ کسی قابل ہے۔ حضرت مولانا انوار اللہ خاں صاحب نے تو یہاں تک فرمایا کہ
اگر جلد مکمل کر کے انکو یہ تحریر دیدی جائے تو حضرت ممدوح اپنے یہاں اسکو
طبع کرا دیں گے۔ مگر دکن میں نوبت تحریر و تکمیل نہ آئی۔ بدایوں آنے پر پھر احباب
کا اصرار ہوا۔ اور حضرت سید شاہ علی حسن میاں قبلہ شاہ میاں صاحب نے بھی بعض

مشورے دیکر حکم طبع دیا۔ اتنے اصراروں۔ ایسی فرمائشوں کے بعد بھی جراءت ہوئی
کہ اس کو شائع کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ مدرسہ شمس العلوم کی طرف سے ماہوار رسالہ
شمس العلوم نکلنا شروع ہوا اور گرامی برادر مفتی حبیب الرحمٰن صاحب برادر مکرم مولوی
عبد الصمد صاحب نے مسودہ لیکر تھوڑا تھوڑا جزو رسالہ میں شائع کرنا شروع کر دیا جسکے لئے وقتی
طور پر بعض بعض اجزا لکھنے پڑے۔ مگر یہ التزام بوجہ علالت و کثرت کار مدرسہ و دیگر حوائج تا
نہ ہو سکا۔ لہذا رسالہ میں بھی سلسلہ ناقص ہونا شروع ہوا۔ اب شہر و بیرونجات کے
زبانی و تحریری تقاضوں کی کوئی حد نہ تھی۔ کہ سلسلہ ناقص رہا جاتا ہے۔ دربار کیوں
نہیں چھپتا۔ بعض جگہ چند ماہ کے رسالے نہ پہنچے۔ بعض وسط سے رسالہ کے خریدار
ہوئے اور پچھلے رسالے دفتر میں باقی نہ رہے۔ لہذا اکثر احباب و علماء کی رائے
ہوئی۔ کہ دربار علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو۔ میرے لئے اس رائے کی تائید
بہت سخت تھی۔ کیونکہ دربار کی آخری تقریر بالکل غیر مکمل تھی۔ اور اب وہ تھوڑی
بہت فرصت جو کبھی کبھی مل جاتی تھی۔ اور وہ اطمینان جو اس سے پہلے تھا۔ ناپید
و غیر میسر لہذا عذر کیا۔ اور اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ کہ نہ وقت ہے نہ اطمینان
مگر اس کے جواب میں یہ سنکر کہ جتنا حصہ رسالہ میں وقتاً فوقتاً طبع ہوتا ہے۔ وہ
علیحدہ کاپی ہو گیا۔ بلکہ کچھ کاپی ہو کر آ گیا ہے اب کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اجازت طبع
کے ساتھ آخر تقریر کے مکمل کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ ایک عرصہ تک یہ فکر
رہی تھی۔ کہ آخری تقریر کس کی ہو کسی بار قصد ہوا کہ متاخرین میں سے کسی کی
لکھ دی جائے۔ بعض احباب نے چند نام بھی بتائے۔ مگر یہ ایک ستر تھا۔ اس کا حل
اس طرح ہوا کہ میرے حضرت قبلہ عمی و شیخی و مرشدی مولانا الحاج شاہ مطیع الرسول
عبد المقتدر القادری العثمانی البدایونی تاجدار مسند برکاتیہ مجیدیہ رضی اللہ عنہ
کا وصال ہوا اور آخر دربار کی جگہ حضور ہی کی تقریر سے مملو ہوئی۔ یہ تقریر اسی

رمضان شریف ۱۳۳۵ھ میں لکھی گئی۔ یہ خیال تھا کہ شوال میں کتاب مکمل ہو کر شائع ہو جائے۔ کاپیوں کی تصحیح میں باوجود خواندگی درجہ مولوی فاضل اور ماہ رمضان شریف عزیزی مولوی غلام امام یونس مقتدری سلمہ نے ساری ساری رات محنت و جانفشانی کی مگر پھر بھی حسب خاطر خواہ طبع کا انتظام نہ ہو سکا۔ ادھر تقریر آخر دربار کی تحریر و تدوین کا کام برابر جاری تھا۔ جس میں عزیزم خواجہ نظام مولوی سید حسن مولوی عالم نے مسودہ کی تبییض میں سرگرمی سے کام کیا۔ اور ایک فہرست مضامین بھی مکمل کی۔ جو بہت طویل ہونے کے سبب نظر ہی کی گئی۔ عزیز گرامی مولوی فاضل عبد الواحد مرحوم کی فرمائش ایک بسیط مقدمہ کی تھی۔ مگر گرانی کاغذ و دیگر موانع کے سبب وہ مقدمہ باوجودیکہ لکھا گیا۔ مگر جزو کتاب نہ ہو سکا۔ خدا کو منظور ہے تو علیحدہ بصورت کتاب کسی وقت شائع ہوگا۔

یہ کتاب دربار علم جو آپ کے پیش نظر ہے۔ اس کا مختصر تعارف بس اسی قدر ہے نہ کتابی حیثیت سے اس کی ترتیب ہوئی تھی نہ خیال طبع تھا۔ مگر جو ہو گیا۔ اس میں کوئی حکمت باری ہے۔

ہر دربار کے اوّل کچھ نثر خوبصورت نقشہ دربار و اشتیاق دربار ہے جسکی غرض صرف تنشیط اذہان و تلمیح ذوق۔ جو نظم و نثر میں جبکہ کسی صورت خیالیہ کو واقعہ کے شکل میں دکھانا ہو برابر برتا گیا ہے۔ بعض شعرانے نعت و مناقب کے قصائد و بیان واقعات ہجرت و معراج میں بھی اس طرح کا کلام زائد اسی غرض سے کہا ہے۔ جیسیکہ ایک بریلوی شاعر کے قصیدہ نعتیہ معراج کے یہ اشعار ہے

نہا کے نہروں نے وہ چھلکتا لباس آب رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حباب تاباں کے تھل ٹکے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں

صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹہ دھانی چُنے ہوئے تھے
وہ جھوما میزاب سر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوار برسے تو جھڑکے گوہر حلیمہ کی گود میں گرے تھے

دربار کی ترتیب بیان وطرز کلام جس طرح رکھی گئی ہے وہ بھی بطور نقل بالمعنی اور ہر مقرر کی فنی نسبت اور اکثر کی کتب موجودہ سے انتقاط پر ہے۔ جسکو انکے بیان و تقریر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایسی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں اور پیرایہ بیان واسلوب کلام کی صنف مہیج جذبات قلوب یہی ہے۔ کہ کسی کے قول یا کسی فن کے مسئلہ کو اس فن کے امام کی زبان سے ادا ہونا اور خود اس کو تقریر کرتا دکھایا جائے۔ کسی امر کی جلالت شان واہمیت دکھانی مقصود ہوتی ہے تو اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ گویا جس کی طرف نسبت و اضافت بیان وکلام ہے۔ وہ خود اس کا قائل و مبتین ہے۔ اور اس کا قول خود اس کی زبان سے بیان ہو رہا ہے۔ اگرچہ ایسا نہ ہو جیسے ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے۔

پھر فرشتے کریں معروض کہ اک مجرم ہے　　اس سے پرسش ہی بتا تو نے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہے پیش　　ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
سُنکے یہ حال ہوا بحر کرم جوش میں آئے　　اور فرشتوں کو ہو ارشاد ٹھہرتا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے گھر کا　　کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے
اے رضاؔ جان عنادل ترے نغموں کے نثار　　طوطی باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

ان اشعار میں شان شفاعت کی جھلک دکھائی ہے۔ جو عقیدہ مسلمہ ہے مگر کسی شخص مخصوص کے لئے اس قسم کا بیان مروی نہیں تاہم نفس مسئلہ شفاعت ذہنین کو شاعر نے اصل صحیح ٹھہرا کر خود کو مستحق شفاعت بتا کر اس طرح اُمید کرم ظاہر کی

۱؎ مولوی مفتی حاجی احمد رضا خاں صاحب مرحوم۔

ہے کہ خیال کو صورت واقعہ دیدی ہے۔ اسی طرح اور مثالیں بھی ملسکتی ہیں جن کے بیان کی منصف مزاج کے لیئے ضرورت نہیں۔

دربار کی تقریریں اپنے فضلائے مقررین کے مذاق اور مناسبت طبع کے لحاظ سے اپنے اپنے مقام پر اپنا اپنا رنگ دکھاتی ہیں اور یہی ایک خاص بات قابل لحاظ ہے کہ جس امام فن کا جو مذاق ہے اسی رنگ کی تقریر ہے۔ اس کیساتھ ہی نفع عوام و فائدہ مخلوق کی ضروری ابحاث و مضامین کا مواد تقریروں میں جمع کردیا گیا ہے اور احکام و عقائد کی ضروری شاخوں پر کچھ کچھ بحث ہوگئی ہے۔ جس سے امید ہے کہ مخلوق کو انشاءاللہ فائدہ ہوگا۔ زمانہ موجود میں اگر یہ ضرورت شدید ہے کہ عقائد و کلام کی ابحاث سمجھائی جائیں۔ تو یہ حاجت بھی اس سے کچھ کم نہیں کہ احکام و معاملات و اخلاق کا درس بھی دیا جائے۔ اگر احادیث کے اسرار بتانا ضرور ہیں۔ تو تعارف قرآنیہ اور لطائف ربانیہ کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ فقہ کی عظمت جس قدر قابل اظہار ہے اتنی ہی اپنے مقام پر تصوف کی حقیقت بھی لائق بیان ہے۔ دربار علم میں یہ سب مضامین و ابحاث آگے ملیں گے

وما توفیقی الا باللہ

(ابو المنظور المقتدری النعمانی البدایونی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علم کا ایک ہفتہ دربار

خدا کی نعمتوں کا شکر ہر دم فرض ہے ہم پر	کرے بے مانگے عطا جس نے کئے ہم کو عجب جوہر
بنایا آدمی دی عقل بخشا علم کا زیور	ہدایت کے لئے بھیجا ہمارا وہ شہ برتر

کہ جس نے سارے عالم کو خدا والا بنا ڈالا
محمد کی صدا نے اک جہاں بھر کو ہلا ڈالا

دن بھر کی محنت نے کچھ ایسا ماندہ و خستہ کر دیا تھا۔ کہ سورج غروب ہوتے ہی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ سر شام سے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ لاکھ ماندگی سہی خستگی سہی نیند کا غلبہ سہی مگر حوائج ضروری کب دامن چھوڑتے ہیں۔ مسلمان ہو کر نماز سے بھی پہلو تہی نہیں ہو سکتی۔ یہ فرض وہ ضروری ایک لازمی ایک مجبوری۔ اول عشا آخر عشا۔ الحمد للہ خیر صلا فرض ادا ہوا بستر میں پڑی تو نئی دنیا کی سوجھی۔ لمبی تان آنکھ بند کی۔ ادھر ادھر سے فرصت ملی تو دوسری طرف دیکھ بھال کی ٹھہری۔ یہاں کا رنگ اور سماں نرالا۔ عالیشان محل۔ نہ حاجب نہ نگہبان۔ ایک وسیع کمرہ جو دلفریب آرائشوں سے چوکھٹی کی دلہن بنا ہوا ہے جس کی سجاوٹ زینت جنت کے ایمان غیب کو یہاں بالمشاہدہ کئے دیتی ہے۔ سبز مخمل کا فرش سارے کمرہ میں اس خوبی سے

ہے بچھا یا گیا ہے۔ گویا لہلہاتے ہوئے سبزہ نے قوت نامیہ کی جوش زن نہر سے سیراب ہوکر اپنی پوری قوت کا کمال دکھانے کے لیئے اس مربع زمین کے آس پاس حصار کھینچکر چلہ کشی کی نیت سے اقامت کر لی ہے۔ اُس پر طرہ نورانی کنول جھاڑ فانوس برقی ہانڈیوں کی نور ریزی طوطی بیں آئینہ کا منظر محسوس۔ چھت کی مینا کاری بوقلموں نقش و نگار کی جگمگاہٹ تاروں بھری رات کی ہمسر اس کمرہ میں بہت سی کرسیاں ہیں جنکا سلسلہ مشرقی دروازہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ سامنے مغرب کی سمت ایک بلند صدر مقام ہے جس پر آٹھ کرسیاں ہیں اور اگلی مرصع آرام کرسی کے آگے ایک خوبصورت میز لگی ہوئی ہے

ہم جس وقت اپنی سمند تخیل کی مدد سے یہاں پہونچے ہیں۔ تو کوئی نہ تھا مگر اب جو دیکھتے ہیں۔ تو جوق جوق لوگ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اور دم بھر میں یہ وسیع کمرہ بھر گیا ہے۔ آنیوالے ایک خاص انداز مؤدبانہ سے بیٹھے ہوئے ہیں یکایک کچھ آوازیں بلند ہوئیں۔ جن کو سُنکر تمام حاضرین ادب آمیز قرینہ سے کھڑے ہو گئے۔ چند مقدس نورانی صورتیں ظاہر ہوئیں السلام علیکم کی آواز سے سارا کمرہ گونج گیا اور ہر طرف سے وعلیکم السلام بارك الله لكم کی صدائیں آنے لگیں۔ یہ تمام حضرات صدر مقام پر تشریف لے گئے اس وقت مشتاق نگاہوں نے خانہ چشم سے نکلکر ان نورانی صورتوں کا دل کھول کے دیدار کیا شوق دل کی التجا پر اس خوش نصیب عاشق کے ہاتھوں کا کام بھی انہیں مشتاق و بے صبر نگاہوں نے انجام دیا۔ جو مدت کی تمنا برسوں کی آرزو کے بعد کسی کو شرم سے گردن جھکائے پہلو میں بیٹھا دیکھکر بے ساختہ جھٹ پٹ بلائیں لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس دیکھا بھالی نے اور تم آگ لگا دی۔ پہلو میں مچلنے والا تڑپ تڑپ کر سوال کرنے لگا۔ آخر یہ کون لوگ ہیں یہاں جمع ہونے کا سبب کیا ہے۔ یہ بے چینی نے ہمیں پھر تڑپایا اور نہ رکنے والے

جوش نے پھر ودھم مچائی لب تک سوال بنکر حضرت شوق تشریف لے ہی آئے تھے خدا جانے کیا فرماتے آبرو رہ گئی خیر ہو گئی صد مقام پر ایک بزرگ کھڑے ہوئے اور فرمایا

حاضرین جلسہ!

آپ لوگوں کو یہاں تکلیف دینے کا سبب یہ ہے کہ حضرت علم نے اپنا ایک ہفتہ دربار منعقد کیا ہے۔ جس میں چند بزرگ حضرات باری باری سے اپنی معلومات بیان فرمائیں گے۔ اس اطلاع کے بعد میری دلی خواہش ہے کہ اس جلسہ دربار کی صدارت حضرت علم ہی فرمائیں۔ ایک دوسرے بزرگ نے اس تحریک صدارت کی وقیع الفاظ میں تائید کی جس کے بعد حضرت علم اٹھے اور فرمایا۔

صاحبو! جن بزرگوں نے مجھے صدارت کیواسطے منتخب کیا ہے اُنکے حسن ظن کو سراہتا ہوں اور جلسہ کی کاروائی شروع کرنا چاہتا ہوں۔ مگر قبل اس کے ایک مختصر سی افتتاحی تقریر کی اجازت چاہتا ہوں۔ تمام حاضرین نے گردنیں خم کرلیں اور نہایت مؤدبانہ لہجہ میں ہم آواز ہوکر "ضرور" "ضرور" کہا۔

حضرت علم کی افتتاحی تقریر

معزز سامعین۔ میں اپنی افتتاحی تقریر میں کوئی مسلہ واقعہ بیان نہ کرونگا اس کو دربار کے فاضل مہمان انجام دیں گے۔ میں اس وقت آپ لوگوں سے اپنا تعارف کراؤں گا۔ کہ میں کس کس رنگ میں ہمرنگ ہو چکا ہوں۔ سامعین! میں کیا تھا اور کس طرح آپ تک پہنچا یہ کچھ ایسی ان کہنی ہے کہ زبان کو طاقت بیان نہیں مگر کچھ کہوں گا۔ منزوز عالم مادیات و مجردات عالم علوی و سفلی عالم عقل و عکر سب جھگڑوں سے الگ تھلگ رہ کر علم مطلق کے لقب سے ملقب ہو کر صفت بنکر عین موصوف

ٹھہر کر کچھ ایسا گمنام رہا کہ کسی نے نہ جانا۔ پھر اسی گمنامی نے ایسا نامور بنایا۔ کہ ہر جگہ میرا ہی ظہور ہر مجلس میں میرا ہی مذکور رہا۔ جلوت میں خلوت کے مزے آنے لگے۔ مضمر و مستتر بنکر ظاہر و مظہر و عین ظہور بنا دیا گیا۔ وصل تھا یا اتصال منفصل تھا یا متقارب خبر نہیں کیا تھا۔ ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں ہی میں تھا اور میرا نہ ہونا نہ ہو سکتا تھا وجود پہ عدم اور عدم پہ وجود کا اطلاق جاری تھا۔ اعتبار معتبر یہ جو کچھ دار و مدار تھا۔ وہ میری ہستی میں ایک پُر اسرار پردہ تھا جس پر برسوں بے پردگی کے جنکا سایہ ہامتانہ شئون شئون نے مدتوں سر ٹیکا۔ مگر میری محجابہ نشینی میں ایک وا کا بھی فرق نہ پڑا اس حالت میں کب تک رہا اس کا بتانا فضول ہے اور اس حساب کی فکر بیکار۔ زمانہ کو خود اپنا احساس نہ تھا اعداد و حساب آزادانہ زندگیوں کی خود فراموشانہ بہاروں کے لئے وقف تھے۔ ایسی حالت کے لئے زمانی و وقتی شمار کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد دوسرا لباس پہنا اور حضرت ابو البشر سے آملا۔ یہ ساز و سامان اور دوسرا دیس۔ دوسری بات مگر یہاں بھی وہ رنگ آمیزیاں کیں۔ اور وہ معجز نما روپ بھرا کہ ملائکہ اعظام کو بھی خاکی پتلے کے سامنے سربسجود کرا کر چھوڑا اب یہاں مجھے حق رفاقت نباہتے ہوئے ضرورت تھی کہ حادث و قدیم میں رابطہ و تعلق و آداب کے آئین و دستور بتانے کی ابتدا کروں۔ ادھر کی توجہ ادھر لے جاؤں اور ادھر کے فیض کو ادھر والوں تک پہونچاؤں۔ اس لین دین کے لئے مجھے کمال تیز دستی سے کام لینا پڑا اور جتنا جتنا میرا وقار و اعتبار بڑھتا گیا۔ میرا داؤں بھی بڑھنے لگا جدا گانہ طبیعتوں اور مختلف المذاق دماغوں سے سابقہ پڑا۔ قریب و بعید کے ممالک میں مشرقی و غربی اقالیم میں جنوبی و شمالی بستیوں میں تر و خشک شہروں میں کبھی ویرانہ میں کبھی آبادی میں۔ کبھی سپاہی حلقوں میں۔ کبھی مدرسوں خانقاہوں میں کبھی نبوت و رسالت کے درباروں میں نشست و برخاست رہی۔ آئے دن نئی نئی

بولیاں بولتی پڑیں۔ سینکڑوں انقلاب اور کمال و زوال کے ہزاروں چکر پیش نظر رہے۔
یونان و قیروان۔ سغد و نینوا۔ و نیعوب و صقلیہ و اندلس و مصر و شام وغیرہ وغیرہ
ممالک و بلاد میں نت نرالی زبانوں اور حکیمانہ بنیادوں۔ فلسفیانہ اندازوں میں اپنے
جلوے دکھائے۔ کبھی ادبی حلقوں میں سوز و ساز و رزم و بزم کی نازک خیالیاں
ظاہر کیں۔ گو طبیعت اس رنگ کی خوگر نہ تھی۔ مگر کیا کرتا ہر ملک کے طرز نے اور ہر
زمانہ کی روش نے اپنے مطابق رنگ بھرنے پر مجبور کیا۔ بڑھتا چڑھتا اپنا جلوہ دکھاتا
فاران کی چوٹی پر جا چمکا۔ عرب کی فصاحت و بلاغت و زباندانی کو معراج کمال
تک پہنچا کر اُنکے "ہمچو ما دیگرے نیست" کے خیال کی بنیاد اُکھاڑی اور ان ظاہری
جلوہ آرائیوں سے اکتا کر ایک ایسا معاون بنایا کہ سب سے پہلا زمانہ یاد آگیا۔ اس
نے بھی کچھ اس انداز سے سینہ سے لگایا کہ مدت کی کلفت و تھکن دور ہو گئی اور کچھ ایسا
مزہ ملا کہ بھولا ہوا زمانہ یاد آگیا! شک شادی نے بڑھ کر منہ دکھلایا۔ روحانی مسرت
نے قدردان پانے کا ایک مژدہ سنایا۔ جذبۂ بے اختیار تہنیت
نامہ کا یہ پُر لطف مطلع پڑھ اُٹھا ؎

میرا مزاج مجھ کو بھلا اب کہاں ملے
تھی جن کی جستجو وہ مجھے قدرداں ملے

گو زمانہ کی ہوا اس وقت میرے موافق مزاج نہ تھی۔ مگر مصلح خاصہ مل گیا تھا جس پر ہر
طرح اطمینان و بھروسہ تھا۔ اُس نے جس جس طرح میری خبر گیری کی اُس کو میں جانتا ہوں
میری غور و پرداخت و نگہداشت میں میری اشاعت و تبلیغ میں سچے مصلح نے جس ہمت
اور ان تھک کوشش سے کام لیا۔ اس پر آج تک میرا اموری کیساتھ باقی رہنا شاہد
ہے۔ ظاہری بھوک پیاس کی تکلیف اُس نے اٹھائی۔ دنیا کے طعنے اس نے سُنے
اپنے اکلوتے کو بھی اُس نے گم کرایا! اپنے نازک ہاتھ پیروں سے بڑے بڑے میدان

و قلعے اُس نے فتح کیئے۔ اپنے یاروں کے لیے جلتی ریت کا بچھونا میری خاطر اس نے گوارا کیا
اپنے وفاداروں کو میرے لیئے آہنی طوق و سلاسل کا زیور پہنا اُس نے سکھایا۔ اپنے دلوں
کو بھی یہی تعلیم دی کہ میرے واسطے جان سے بھی دریغ نہ کریں۔ دنیاوی مصائب کا پہاڑ سر
پر رکھیں۔ مگر جبین نہ بگڑے۔ تیوری میلے نہ ہوں لا یخافون لومۃ لائم کی لوح ہر وقت
ہاتھ میں رہے واللہ یعصمک من الناس کا حربہ ہاتھ سے نہ گرنے پائے بلّغ ما
اُنزل الیک من ربک کی ثروت کی گراں قدر دولت ضائع نہ ہو۔ کھنچی ہوئی تلواریں جھکے
ہوئے نیزے چلتے ہوئے خنجر برستے ہوئے تیر۔ تمہاری بڑھی ہوئی ہمت و اظہار حق کے
اولوالعزم خیال کو نہ روک سکیں۔ ایسی تعلیم پائی ہوئی گودوں میں پلا بڑھا۔ اوران چاہنے
والوں میں ایک دراز زمانہ گذرا۔ جن کی جانفشانیاں سچی محبتیں بے لوث خدمتیں۔
جب تک ہوں ہرگز ہرگز نہیں بھول سکتا۔ اسی کا اثر تھا کہ بغدادی شاہنشاہوں نے
آخر میں جبین نیاز میرے سامنے رکھ دی۔ اور ہر ممکن خدمت میری جان و دل سے
کرتے رہے۔ آہ! میری بچھڑی ہوئی غرناطہ و قرطبہ بغداد کی یادگارو! میں تم تغیرات زمانہ کے
خارتگر ہاتھوں لاکھ لٹ گئیں مٹ گئیں۔ مگر میں اب تک تم کو ایکدم بھی نہیں بھولا ہوں میرا
خیال ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ گو بظاہر تم خواب عدم میں ہو۔ مگر دنیا کو بیدار کر گئی ہو۔ اب بھی
تمہارے لٹتے ہوئے جوبن کی بہار اور بگڑی ہوئی ادا کا بناؤ سینکڑوں کے جان و دل پر بار ہا ہے
ہاں ہاں تمہاری شکستگی ناقابل دید ہے اور قیامت خیز سانحہ۔ مگر اے ارض قرطبہ اے زمین
غرناطہ۔ اے سواد بغداد تیری شاندار عمارت کی ہر گری پڑی اینٹ سے اب بھی میراده جلوہ
چمکتا ہے کہ ایک بار تو دنیا جان عالم کی آنکھیں چکاچوند ہو ہی جائیں گی۔ اب بھی تیری
بوسیدہ حالت دل میں نئی نئی اُمنگیں پیدا کر دینے میں کسی شوخ کے اُٹھتے ہوئے جوبن
کے ترقی پذیر ناز و انداز سے کم نہیں۔ اب تک ہر صبح و شام سینکڑوں ارمان و تمنا بڑے
شوق سے تیری پریشاں خاک سے گلے ملا۔ کچھ اس ستم کی حسرت بھری مرثیہ خوانی کیا کرتے

ہیں کہ دل و دماغ میں تری عظمت گذشتہ کی تصویر پھر جاتی ہے اور بے اختیار آنکھیں تیری سطوت کے مقبرہ پر موتیوں کی چادر چڑھانے کو آمادہ ہو جاتی ہیں۔

اے پچھلے زمانہ رخصت اے علم پرستوں کے آخری عہد الوداع تو نے ہماری خوب قدر کی۔ مگر افسوس کہ بھری محفلیں جلد سنسان ہو گئیں ہارون رشید و نظام الملک کے تعمیر کردہ دار العلوم ویرانی کے لئے وقف ہو گئے ۲۰۱۵ھ کا مدرسہ مصر اور استاد ابوبکر فورک کا نیشاپوری عام مدرسہ اور مدرسہ بیہقیہ و سعیدیہ اور عالیشان دار العلم نظامیہ اور مستنصریہ وغیرہ وغیرہ اب سوائے اپنے نیک نام کے اور تحریری تذکروں کے اپنے وجود کو اور کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے۔ یوں تو دنیا کی ہر چیز آتی جاتی ہے۔ مگر گذشتہ آثار اور متذکرہ بالا نشانات ایسے مستحکمانہ طرز پر قیام پذیر تھے۔ کہ انکی تباہی و بربادی گویا عقلی استبعاد کے سانچہ میں ڈھل کر آتی تھی۔ کبھی گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ کہ زمانہ کے اثر سے ایسا زبردست اثر مٹ جائے گا۔ آہ آہ۔

صاحبو! مجھے بہت کچھ کہنا تھا اور اب بھی کوشش کر رہا ہوں۔ کہ کچھ کہوں مگر یاد رفتگان کا خدا بھلا کرے جو گلوگیری پر آمادہ ہے ضبط کی رخصت کے آثار اور بے قراری کی آمد ہے۔ لہذا میں اس وقت آپ حضرات سے رخصت ہوتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ پھر بھی اس جگہ آپ سے ملتا رہوں گا۔ اب میں اپنی تقریر ناتمام ہی چھوڑتا ہوں اور دربار کی کارروائی شروع کرتا ہوں۔ معزز ناظرین سات روز سات بزرگ اپنی اپنی معلومات بیان فرمائیں گے۔ آج پہلا دن ہے سید التابعین امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان کوفی کی تقریر ہو گی جس سے اب لوگ بہت محظوظ ہوں گے اور مفید سبق حاصل کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ میرے دوست امام اعظم ضرور میری خواہش پوری کر کے تمام اہل دربار کو شکریہ کا موقعہ دینگے

دربار کا پہلا دن اور اس کی سج دھج

دیکھ دیکھ۔ نظر تعجب دیکھ۔ ان ان دیدہ شوق دیکھ۔ دیکھے جا یہی منظر دکھائے جا جوش سے دیکھ خوش نظری سے کام لے کنکھیوں سے دیکھ۔ ارماں بھری نگاہوں سے دیکھ۔ پیار سے دیکھ۔ ٹکٹکی باندھ کے دیکھ۔ دیکھ دیکھ اور غور سے سامنے دیکھ۔ حیرت ترقی کر اور تعجب بڑھ شوق۔ تو دل کو گدگدائے جا، اُبھارے جا۔ قسم ہے مچلا نہ بیٹھے دنیا ارمانوں سے آلودہ ہو میں مچائیں۔ تمنائیں کہاں ہیں شادیاں رچائیں۔ اذن عام ہے خاص نوید ہے، ہنگام دید مسرت عید ہے شوریدہ سر دل کہاں ہے کہو ہوش میں آئے جو کانوں سے سنا ہے آنکھوں سے دیکھ جائے ہیں" یہ سامنے کس کی عالم فریب صورت ہے یہ کون ہیں غضب کی سج دھج ہے۔ نرالی پھبن۔ دل میں گھر کرنیوالی ادائیں مقبول صورت کھلتا ہوا رنگ سادگی اس غضب کی جس پر لاکھ بناؤ سنگار جان نثار ہو رہے ہیں۔ گدرایا ہوا بدن بڑی بڑی چمکتی آنکھیں کشادہ پیشانی۔ بھرے بھرے دست و بازو کھلا ہوا سینہ۔ تیور سے عالمگیری کے آثار نمایاں۔ چتون سے فتح قدیر کا جلوہ ظاہر پیوستہ ابروؤں سے ملتقی الابحر کا نقشہ نمایاں۔ دانتوں کی چمک در مختار۔ بزرگ سر پر شاندار گپڑی سلطان علم کا تاج ہدایہ۔ سبز صوف کی عربی عبا کے دامنوں کا ادھر اُدھر ہلنا کشف الغطا۔ چہرہ سے حیرت میں ڈالنے والا رعب داب نورانی بجلیاں چمکاتا ہوا اللآلی۔ کچھ دیر یہ بزرگ صدر مقام پر خاموش کھڑے رہے اس کے بعد فرمایا۔

یکرنگ احباب کا ملنا اور پھر باموقع ملنا ایک ایسا امر ہے جو طبیعتوں کو خواہ مخواہ ہیجان میں لاتا ہے۔ آج مجھے کچھ کہنے سننے کا اگر حکم نہ دیا جاتا جب بھی میں کچھ نہ کچھ

؎ کتب فقہ کے نام ہیں جنہیں سراً بیان کیا گیا ہے۔

ضرور کہتا چند اشارہ ہے اپنے ہم مذاق ہم رنگ احباب کی صحبت صحیح احساس اور
مذاق سلیم رکھنے والوں کے لئے ایک ایسی لذت ہے جس کے مقابل دنیا کی تمام
لذتیں اور مسرتیں ہیچ ہیں۔ آج مجھے وہ مسرت ہے جس کا اندازہ مجھے خود نہیں ہو سکتا
آج جدھر میں نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں اور اس مجمع میں جس طرف میری نگاہ جاتی ہے
کمال کا بے مثال منظر جیتی جاگتی بے مثل تصویروں کا مجموعہ پیش کر دیتا ہے۔ میں
بھی کس درجہ خوش بخت ہوں۔ کہ آج کے دربار میں اپنے بہت سے بزرگوں عزیزوں دوستوں
کو ایک ہی صف میں پاتا ہوں دیکھ رہا ہوں اور جانتا ہوں محسوس کر رہا ہوں اور پیش
نظر ہو رہا ہے کہ حضرت صدر انجمن کے حلقہ بگوش عالم کے ہر گوشہ سے ایک
مستانہ جذبہ کیساتھ آئے ہیں بظاہر گردنیں خم ہیں اور انداز نہایت تمکنت و ادب
کا اظہار کر رہا ہے۔ مگر چہروں سے جھلکنے والی مسرت زبان حال سے کبھی نہ رکنے والی
بے چینی اور حد سے بڑھی ہوئی شورش محبت کا اظہار کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں
بہت ممکن ہے کہ میرا زیادہ وقت صرف کرنا بھی ان کو پسند نہ ہوا لہٰذا میں آج کے
دربار میں اپنی تقریر کے انتخاب کا شکریہ ادا کر کے اپنی تقریر شروع کرتا ہوں۔

تقریر حضرت امام الائمہ سیدنا امام اعظم

اے میرے عظمت والے خدا۔ اے میرے علیم و دانا حمد تیری تعریف اور
میری زبان وجوب وحدت کی بے ربطی قدیم و ممکن کی تنافی سبق عجز یہ اگر صرف
یہی کہلاتی ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تیری حمد تیرا شکر ہر آن ہر نعمت پر واجب
تو نے وہ نعمت عطا فرمائی کہ شکر خود جس کی نعمت میں میرا شکر بنگیا ہے۔ اے
ذوالجلال تیرا لاکھ لاکھ شکر کہ تو نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مبعوث فرما کر
نوع انسان کی قسمت کو چار چاند لگا دیے۔ الصلوٰۃ علیک یا رسول اللہ والسلام

عليك يا نبي الله عليك و على آلك و اصحابك و اولياء امتك و علماء ملتك اجمعين۔

حاضرین جلسہ میری تحریر میری تقریر میں میرے مہرباں صدر جلسہ ہی کی ساری عنایت ہے۔ میں جو کچھ کہوں گا اور جس طرح اُن کے حکم کی تعمیل کروں گا وہ سب انہیں کا فیض ہوگا۔

صاحبو! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرا تجربہ بہت وسیع ہے۔ ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ مجھے میرے زمانہ نے مختلف علمی رنگ دکھائے ہیں اور مجھے قسمت سے وہ زمانہ ملا ہے جس کو میں علمی عملی ترقیوں کا اولیں دور کہوں تو بیجا نہ ہوگا۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے اور ایسی مجلسوں میں صحبت رہی ہے جو خیر القرون والی زندہ تصویروں کی نیک یادگاریں سمجھی جاتی ہیں۔ مجھے میری علم پرست طبیعت نے میدان علم کے بہت سے مقامات دکھائے ہیں اور میرے اُٹھتے ولولوں نے مجھے اکثر ہنگاموں میں ایک ممتاز شریک بنایا ہے مجھے زمانہ نے وہ موقع بھی دیا ہے کہ میں علم کلام و علم مناظرہ کے میدان میں مدتوں بانیاں لگاتا رہا ہوں۔ مجھے ایسے وقت بہت پیش آئے ہیں۔ جبکہ میں تنہا سینکڑوں کے مقابلہ میں اوتارا گیا ہوں۔ مگر میں نے جہاں تک غور کیا سارے جھگڑے اور علمی نزاع مذہبی اختلاف کی وجہ یہی سمجھ میں آئی کہ عقول انسانی کلام ربانی اور احادیث نبویہ کے سمجھنے میں خطا کرتے ہیں۔ جس کے سبب سے یہ کیک واہی توہمات مغالطہ دے کر حق شناسی کی دولت سے محروم کر دیتے ہیں۔ کھلے کافر پکے مشرک بھی اپنی اعتقادیات قرآن و حدیث ہی سے دکھانے کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں اس کا راز یہی ہے کہ علوم قرآن و حدیث نبوی سمجھنے کی استعداد ہر شخص کو ہونا مشکل ہے ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔ اسی راز نے مجھ پر منکشف ہو کر میری اگلی حالت میں ایک موزوں تبدیلی پیدا کر دی۔ احد

مجھے جرأت ہو گئی کہ اپنا خیال عالم آشکار کر دوں۔ یہ سوچ سمجھ کر میں حدیث و قرآن شریف کی خدمت کے لئے کمربستہ ہو گیا۔ میں نے اس خدمت کے لئے جو طریقہ اختیار کیا وہ کوئی جدید نہ تھا نہ مجھے موجد بننے کا شوق تھا۔ ہاں یہ ضرور ٹھان لی تھی کہ اگر زندگی ہے تو اس خدمت میں جان توڑ کوشش انتہائے محنت مستقل ہمت صرف کر کے دنیا کو جہالت کی دلدل سے نکال سکوں گا۔ وہ غلطیاں جو قرآن و حدیث نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ دفع کر کے رہونگا۔ وہ باریکیاں جو ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں اور کم استعدادی کے سبب قعر گمراہی میں گرا دیتی ہیں۔ یوں واضح کر دکھاؤنگا کہ دنیا اونچ نیچ کھرے کھوٹے صحیح غلط سے باخبر ہو جائے گی۔ اسی خیال نے مجھے حضرت حماد کے حلقہ میں بٹھایا اور اسی خیال نے دس برس تک میرا دامن پکڑا۔ اسی خیال نے مجھے بتایا۔ کہ اب وہ خدمت انجام دینی چاہیئے۔ جس کے واسطے اتنی مدت صرف کی ہے۔ مگر شفیق استاد کے دل میں گھر کرنے والی محبت اور انکی بارگاہ کے جائز و لازم ادب نے اجازت نہ دی کہ اُنکے حلقہ فیض سے علیحدہ اپنا درس قائم کروں۔ بالآخر قدرت کو میرے خلوص کی مقبولیت کا تمغہ عطا کرنا تھا۔ کہ استاد نے سفر کیا اور سارا کام میرے سپرد ہوا۔ اس زمانہ میں میرے امتحان کا خاصہ موقع تھا۔ جس کو خدا کی عنایت سے میں کامیابی سے ہم آغوش کر سکا۔ اور یہی کامیابی میرے لئے تدوین فقہ کا سبب ہوئی۔ میں نے اس کام میں موافق ارشاد نبوی وشاورھم فی الامر اپنے ایسے ارکان منتخب کئے۔ جو میرے واقعی معاون ہو سکتے تھے۔ ایک ایک مسئلہ میں ایک ایک ماہ تک میں نے اپنی مجلس کا دروازہ وا رکھا کہ خدانخواستہ کچھ کجی نہ رہ جائے۔ میں نے کسی مسئلہ میں محض اپنی ظاہری عقل و سطحی رائے سے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ جو کچھ نکالا اور جو مسئلہ لکھا وہ قرآن و حدیث و اقوال صحابہ سے لیا۔ اور جو ان میں نہ ملا۔ اس کو قیاس

شرائی سے جس کی علت قرآن وحدیث سے استنبط ہے اخذ کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ صریح آیت یا واضح حدیث کے ہوتے ہوئے ترتیب قیاس کی حاجت نہیں۔ کیونکہ قیاس خود مثبت نہیں۔ جو مسئلہ قرآن و حدیث میں پوشیدہ ہے اُسکو قیاس مجتہد ظاہر کردیتا ہے۔ اسی واسطے میں نے کہدیا ہے اترکوا قولی بخبر الرسول اور پھر عرض کردیا ہے اذا صح الحدیث فہومذہبی یہ خیال کہ میرا کوئی قول بعض ظواہر حدیث کے مخالف سا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنی گذارش ہے کہ ایسا قول یا تو دوسری آیت حدیث قوی سے لیا گیا ہے یا الفاظ حدیث کے ظاہر معنی کے علاوہ بقرائن دوسرے صحیح معنی میں نے سمجھے ہیں۔

صاحبو! میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم نہ سمجھنے کے سبب قعر ضلالت میں گرادینے والی غلطیاں واقع ہوا کرتی ہیں کلام باری کے ناسخ و منسوخ آیتوں کا عدم علم اور اقوال کا عدم تواتر ہی موجب غلطی ہوا کرتا ہے۔ علوم و اسرار قرآن سے عدم واقفیت ہی تباہ کردیا کرتی ہے۔ قرآن کے بر مجمع علیہ تفسیر ہی کا سمجھا جانا مشکل ہے اور اسے نہ جاننے اور نہ سمجھنے کے سبب دینی خسران کی ابدی ذلت کی بیڑیاں ہتھکڑیاں پہننی پڑتی ہیں۔ متعلقات علوم قرآن سے عدم اطلاع ہی دارین میں کھو دیتی ہے۔ ایسی ہی دقتیں احادیث کے سمجھنے میں پیش آتی ہیں جو ظاہر میں اختلاف عظیم کا پہلو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ جن میں راجح و عدم راجح کا امتیاز مشکل ہوتا ہے اور دونوں حالتیں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ پھر احکام میں علتوں کا لحاظ اور الفاظ کا معنی موضوع لہ و غیر موضوع لہ میں استعمالی اور اس کا محل موقع یہ تمام وہ باتیں ہیں۔ جن پر عبور نہ ہونے کے باعث سخت غلطیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں اور اکثر گمراہ کر دیا کرتی

ہیں۔ اسی غرض کے اہتمام کے واسطے مجھے تدوین فقہ کی اہمیت محسوس ہوئی جس کے سبب وہ شکوک و اختلافات لازمی طور پر جاتے رہے جو مجرد قرآن و حدیث سے ہر حکم جزئی کے نکالنے میں کم علمی کے سبب پیدا ہو کر اپنے تباہ کار ہاتوں سے مخلوق کا کام تمام کر دیا کرتے تھے۔

معزز حضرات۔ میں نے اس ضمن میں یہ بھی بتایا کہ عوام کو اپنی گردن میں ایک پٹہ ڈالنے کی ضرورت ہے اور یہ وہ ضرورت ہے کہ کسی طرح انسان اس سے کنارہ کش ہو کر سلامت رہ نہیں رہ سکتا۔ غور کا مقام ہے کہ اگر ہر شخص قرآن و حدیث کا مطلب اپنی سمجھ کے مطابق اخذ کر کے فتوے دے دیا کرے اور عامل ہو جایا کرے۔ تو پھر اسلامی برکات مسلمانوں سے بالکل اٹھ جائیں گے اور قوم کی قوم مطلق العنان ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں جب کہ تعلیم یافتگان دار العلوم نبوت کا مقدس وجود نہ رہا اور علمی مذہبی مخالفتوں نے سر اٹھایا تو محض عامی عقل کا مفتی بن بیٹھنا نہایت قبیح و غارت گر امر ہے۔ ایک شخص کہتا ہے اصول حدیث کچھ کلام خدا اور رسول نہیں۔ جن کی پابندی یا تحصیل لازمی ہو۔ وہ یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے۔ کہ جہاں جرح و تعدیل دونوں ہوں۔ وہاں تعدیل مقدم کی جائے گی۔ اس قاعدے سے سینکڑوں صحیح حدیثیں ضعیف اور ضعیف صحیح ہو جائیں گی۔ معاملات میں بھی ہر شخص اپنی سمجھ پر فیصلہ رکھ کر اپنا مسئلہ نکالے گا اور عام دھما چوکڑی پڑ جائے گی۔ اس میدان میں بجز ائمہ ذات کے جن کو کتاب و سنت کی خدمت کرتے کرتے بلکہ اجتہاد حاصل ہو گیا ہے اور ایک مستند مجتہد کے فرائض و شرائط کا جلوہ ان میں نمایاں ہے۔ کوئی اور شخص قدم نہ ڈال سکے گا۔ بلکہ ہر عامی اگرچہ وہ عالم ہو کسی امام کا پیرو ضرور ہو گا۔ اور عام کے لئے خاص پیروی لازم کر دی جائے گی۔ جس کے سبب آئندہ اختلاف کا سد راہ ہو اور ہمیشہ قول فیصل پیش نظر رہے۔ یہی ضرورت تقلید شخصی کا منصب حاصل کرے گی

اور یہی وہ ضرورت ہے جو ظاہری احوال میں بھی جلوہ گری کرتی رہتی ہے اور ایام طفولیت سے انسان کا دامن پکڑ کر چلتی ہے اور جتنی جتنی قوت و استعداد بڑھتی جاتی ہے یہ قوت بھی ہاتھ پاؤں نکالتی جاتی ہے۔ حیوان ناطق انسان کامل کا مفہوم اسی ضرورت سے تکمیل پاتا ہے۔ ورنہ پھر انسانیت و حیوانیت کی تمیز مشکل نظر آتی ہے۔ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ کی بھی تلقین ہے۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کی یہی زریں تعلیم ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم صاف صاف بتا رہا ہے۔ کہ بغیر اطاعت و پیروی فلاح حقیقی کی عروس سے وصل محال ہے۔

"حاضرین" اس ضرورت کو وہ لوگ بہت جلد محسوس کرتے گئے۔ جن کو مذاق سلیم سے حصہ ملا تھا اور وہ باخبر تھے کہ کوئی ایسا حاوی جامع مبسوط مجلد نہیں۔ جو تمام احادیث پر مشتمل ہونے کا دعوے کر سکے۔ لہذا فقہ کی اہمیت اور تقلید کی ضرورت ہر زمانہ میں علمائے محدثین سے پسندیدگی و قبول کا شرف پاتی رہی جس کے سبب میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ قبیح و مذموم امر دفع ہو گیا۔ جو محض قرآن وحدیث سے ہر مسئلہ کے تخفص میں عقلاؤں کو ٹکرا ٹکرا دیا کرتا تھا۔ کامل تنقید کے بعد میرے معزز علمائے متعمدین اور ہمعصر محققین نے تسلیم کر لیا۔ کہ بے شک فقہ حنفی قرآن وحدیث کا ہی خلاصہ ہے۔

اگر میرے عزت والے دوست ایسا فتوٰی نہ دیتے تو ممکن نہ تھا کہ فقہ حنفی کا اثر کوہ قاف تک پہنچ جاتا۔ بیشک میری تمام خدمات کو کامیاب بنانے میں میرے احباب و رفقا کا عنصر غالب تھا۔ میں ان تمام حضرات کا اور ان مہربانوں کا جنہوں نے میرے بعد مجھ کو سراہا اور میرے مسلک کو مفید تصنیفات و تالیفات سے شائع کیا ہے اور مستحکم بنایا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے حضرت صدر

انجمن صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

"جناب صدر انجمن صاحب! آپ کا بندۂ احسان اور آپکی عنایتوں کا نوازا ہوا ابوحنیفہ آپ کے شکریہ کے لئے الفاظ نہ پاکر صرف اتنا کہنا چاہتا ہے۔

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تو

اس کے بعد اس عزت افزائی پر جو اس کے انتخاب تقریر کے لئے اس شاندار دربار کے موقع پر عمل میں لائی گئی۔ اپنی مسرت کا اور دلی مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ بیشک آپ کے حد سے بڑھے ہوئے کرم ہمیشہ شامل حال رہے۔ اور خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں بھی ہمیشہ آپ کی خدمت کے لئے کمربستہ رہا۔ اور اپنی ہر ممکن کوشش صرف کرتا رہا۔ زمانہ کی سختیاں کڑیاں جھیلیں مصیبتیں اٹھائیں مگر آپ کی حلقہ بگوشی کا حق ادا کر دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ ان جانفشانیوں کا اجر مل گیا۔ اور وہ خدمتیں خلعت قبول پہنے نظر آگئیں۔ جس کی شہادت میرے اس باموقع یادفرمائی سے ہو رہی ہے۔ اب وقت کم ہے میں اپنی تقریر کو ختم کئے دیتا ہوں۔

امام اعظم یہ فرما کر بیٹھ گئے۔ حضرت علم اُٹھے اور فرمایا۔

حاضرین جلسہ! آپ نے امام اعظم کا بیان سنا ان کی تقریر میں کیا مزہ تھا۔ وہ آپ لوگوں کا دل جانتا ہوگا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ کہ آپ حضرات مزے لے رہے تھے۔ ہاں ہاں۔ انکا کلام اسی قابل تھا۔ آپ لوگوں نے خوب قدر کی فجزاکم اللہ تعالےٰ اب آج کا دربار برخاست ہوتا ہے۔ کل آپ لوگ کچھ پہلے سے آیئے۔ ہمارے بزرگ دوست حضرت غوث الاعظم کی زبردست تقریر ہوگی۔

والسلام مع الاکرام

دربار کا دوسرا دن اور اس کی پھبن!

حضرت علم کے درباری دن بھر دل ہی دل میں اُس لطف کے مزے لیتے رہے جو شب گذشتہ کو حاصل ہُوا تھا۔ مشتاق دلوں کو حضرت علم نے آج کے لئے کچھ ایسا بیچین کر دیا تھا۔ کہ دن گھنٹے گن گن کر کاٹنا پڑا۔ مجنونانہ جوش اشتیاق نے دلوں میں شورش مستانہ پیدا کر دی۔ لیلائے شب کے انتظار میں ہمہ تن دیدہ شوق بنا دیا۔ کسی نے درباری حالت کا نقشہ پیش نظر کر لیا۔ کوئی رات کی تقریر کی باریکیاں سوچنے سمجھنے لگا۔ کسی کو آج کے لئے نئے درباری لباس کی فکر دامنگیر ہوئی۔ غرضیکہ خدا خدا کر کے دن کا ماتم شام ہوئی۔ سورج ڈوبا۔ اُمنگوں نے ابھارا۔ ترنگوں نے اٹھایا۔ دل مچلا۔ ارمانوں نے کروٹ بدلی۔ تمنائیں جاگ اُٹھیں۔ بڑھتے شوق کے نذر کئے ولولے جذبات عاشقانہ بیقراری کے انداز پر آپے سے چل نکلنے اور بے ساختہ کہہ اُٹھے ؎

کوئی چلے نہ چلے ساتھ ہم تو جاتے ہیں
وہ اور ہوتے ہیں ہوتی ہے جنکو ضبط کی تاب

از خود رفتگی نے دامن کھینچا۔ بیخودی لے کر بڑھی۔ عقل کی دیوانگی اُس کے لئے سدِ راہ ہوئی۔ حضرت خیال دیر سے منتظر تھے۔ بہت جھلائے! ابتک کہاں تھے۔ دیر ہو گئی جگہ ملنا مشکل ہے۔ آؤ آؤ قدم بڑھاؤ۔ بسم اللہ حضرت چلئے بندہ حاضر ہے۔" دربار محل کا شاندار دروازہ نظر آیا۔ نگہ شوق نے بڑھکر بلائیں لیں۔ جی کھولکر اپنے ارمان نکالے۔ دروازہ پر پہنچکر مذاق سلیم کا سند الاجازہ دکھانا پڑا جس کے بعد داخلہ کی اجازت ملی۔ وہی منظر وہی نظر وہی ہم وہی اہل دربار

مگر آج حضرت شوق نے خدا جانے کس غضب کی پی ہے کہ تم کی شوخیاں کئے جاتے ہیں آج ان حضرات کی ہر ادا لائق دید ہے۔ ہر بات قابل شنید ہے۔ جھوم جھوم کر نہ رکنے والے ولولوں کا اظہار کرتے ہیں۔ تڑپ تڑپ کر اپنا اشتیاق جتاتے ہیں بے خودی، بےچینی، بےقراری سب بے اختیاری ہوش و حواس کا کام نہیں ضبط سے ربط نہیں۔ دماغ کا دار الافتار مفتی عقل کی معزولی سے قاضی عشق کا دار الاحکام بنگیا ہے۔ حضرت دل پر مسلسل آثار بےخودی طاری ہوتے جاتے ہیں۔ ان کو کچھ سدھ بدھ نہیں، جو نہ کرنا تھا کر رہے ہیں۔ جو کرنا تھا اُس کو فراموش کر چکے ہیں۔ انتظار کی بےچینی کی چبھتی پھانس خلش کر رہی ہے۔ شوق کے اُٹھتے ولولے سر اُبھار رہے ہیں۔ پاؤں نکالنے پر آمادہ ہیں۔ ہاتھ بیساختہ گریبان صبر کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں پاؤں ناخواستہ وادیٔ وحشت کی طرف نکل بھاگنے کو مستعد ہیں۔ ان شورشوں کا خاتمہ ہونا تو معلوم تھا۔ مگر اب کچھ کچھ آس بندھی عروس تمنا کی محبلہ برانداز ی کا وقت قریب آتا معلوم ہوا صدر مقام پر نظر۔ دل پر ہاتھ چشم مدعا دامن انتظار بڑھائے کہ کب در مقصد ہاتھ آئے۔ یکایک آنکھیں جھپکنے لگیں۔ نگاہوں میں خیرگی کا اثر ہونے لگا۔ نورانی بجلیاں چمکیں۔ چند مقدس صورتیں ظاہر ہوئیں۔ دست بستہ خیر مقدم کی رسم ادا ہوئی۔ مرحبا مرحبا۔ اہلاً و سہلاً خوش آمدید کا غل پڑ گیا۔ تہنیت نامے پڑھے گئے۔ پھر تھوڑی دیر تک پہلے روز کے سے ادب آداب ہوتے رہے اور سب مقدس بزرگ صدر مقام پر تشریف لے گئے کچھ دیر حضرت سکوت و وقار مجلس کو عزت بخشی گئی۔ انکا مذرانہ گذر چکا تو ہم خستہ حالوں پر توجہ فرمائی گئی۔ حضرت صدر انجمن صاحب نے جلسہ پر ایک نظر ڈالی اور یقیناً حاضرین کی بےچینی محسوس فرما کر ارشاد کیا۔

صاحبو جلسہ کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ اراکین دربار میں کچھ مشورے ہوئے

ہے۔ مہربانی فرماکر تھوڑی تکلیف گوارا فرمایئے۔ اور اس وقت میں بیکار نہ رہیے
مَیں آپ کو وقت گذارنے میں مدد دیتا ہوں۔

صدرِ انجمن صاحب نے پُردرد لہجہ میں یہ نظم شروع کی۔

سرگذشت حضرت علم

تھا ترقی پہ کسی وقت زمانہ میرا
ایک عالم میں ہوُا کرتا تھا چرچا میرا

کس نے مکے کی فصاحت کو کیا تھا مشہور
بھول سکتا ہے عرب نام نہ اصلا میرا

مدنی چاند نے سینے سے لگایا مجھ کو
کہ بنا مہر ہر اک راہ کا ذرہ میرا

مَیں نے صدیق کو صدیق بناکر رکھا
کیسا فاروق پہ احسان ہوُا تھا میرا

مَیں نے ہی بخشی تھی عثمان کو حیا کی دولت
بابِ علم نبوی کون تھا مولا میرا

جلوہ فرما ہیں یہاں جتنے گرامی حضرات
ان سے پوچھو کہ کرم اُن پہ تھا کیسا میرا

مگر اب ائے مجھے ایسے ملے ہیں نا اہل
وہ بڑھائیں یہ گھٹا دیتے ہیں رتبہ میرا

حال جو قربِ قیامت میں میرا ہونا تھا
ہو رہا ہے وہ ہی تقدیر کا لکھا میرا

جلد آتا ہے وہ دن عرض کروں گا تم سے
آؤ اے یارو پڑھو آکے جنازہ میرا

مگر اتنی بھی اب اُمید زمانے سے نہیں
کہ اُٹھائے کوئی گردن پہ جنازہ میرا

مَیں گراں آپ ہی ہونگا نہ کسی پر مرکر
مرنے جینے کو ہے موجود مدینہ میرا

وہیں پیدا ہوُا اور پائی وہیں تربیت
دم بھی نکلے گا وہیں ہے یہی لکھا میرا

ہاں مگر پیشِ خدا روزِ قیامت لوگو
یاد رکھو کہ لیا جائے گا بدلا میرا

صدرِ انجمن صاحب کی اس نظم کے بعد مطابق دستورالاوقات کارروائی شروع ہوئی۔ حضرت غوث الاعظم اُٹھے اور تمام حاضرین نے دست بستہ تعظیم

دی آپ نے مہر آمیز نگاہ سے سب کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا۔

تقریر حضرت غوث الاعظم رض

حاضرین جلسہ مجھے میرے دوست صدر صاحب نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا ہے اور مجھ سے کہا گیا ہے۔ کہ میں تقریر کروں۔ میں ان دوستانہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ مختصر گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ لوگ میری صورت شکل میری وضع قطع کو میٹھی میٹھی نظروں سے نہ دیکھئے۔ بلکہ جو الفاظ میری زبان سے نکلیں۔ ان پر غور کرتے رہئے۔ میری تقریر میری کہانی آپ بیتی ہوگی۔ جو کچھ کبھو لگا دیکھی بھالی سرپہلی ہوئی سر کی ہوئی۔ آہ آج میں آپ لوگوں کو وہ باتیں سناتا ہوں جو برسوں مجھ کو دیوانہ وار صحرا نورد رکھ چکی ہیں۔ بیاباں کی خاک چھانی گھربار شہر بستی آبادی سب کو چھوڑا۔ دنیا سے منہ موڑا۔

کیوں، آخر کس کے لئے اُسی کی خاطر جس نے وما خلقت فرماکر ہم کو لیعبدون کی قید لگا کر آہ وزاری بے چینی و بیقراری کو کچھ گذرا زمانہ یاد دلادیا۔ اے مجبوری والے مجبوری اس نیرنگی نے وہ بے رنگی برتی کہ جان پر بن گئی۔ کجا کثرت اور وہ بھی اعتباری۔ کہاں وہ رنگ ناسوتی اور وحدت ذاتی۔ ہائے جدائی تیرا برا ہو کہاں سے کہاں لا ڈالا۔ تنزلات کی بھول بھلیاں تعینات و تشخصات کی دشوار گذار گھاٹیاں تعلقات کی بیڑیاں نام و نشان منزل فراموش۔ خود فراموشی کا عالم اور راہی گم شدگی کی حالت راحلہ اور راہ کی کسے خبر غرضکہ ہر طرح منزل دور اور بہت دور۔ راہ سخت اور بہت سخت۔ اُس پر طرہ اب کے چھٹے جب ملیں۔ جب آپ خودی کو نہ ملیں۔ اُس منزل تک گذر ہو تو کب! جب اپنا پتہ دیجئے رفتن و نبودن میں فرق نہ رہے۔ ذات سے ما قام بہ الوجود کے معنی معدم

ہوں۔ نفس وجود وصف انتزاعی کی قید سے آزاد ہو۔ نہ ملنا ملجانا ٹھیرے مل ملا کر حجاب نور و ظلمت یا جلال و جمال کے دامن میں خود کو چھپا دیں۔ حجاب میں بے حجابی کی جھلک ہو۔ نقاب اُٹھے۔ پردہ اُٹھایا جائے۔ خود شناسی کے آئینے میں آرسی مصحف کی رسم ادا ہو۔ خدا شناسی کا منظر پیش نگاہ ہو۔ اپنی تصویر میں اُن کا جلوہ اور اُن کے آئینہ جمال میں اسی جلوہ کی جھلکیاں نظر آئیں۔

اسی گرم بازاری اور اسی آئینہ داری کے شوق نے اسی ہنگامے کے تماشائے ذوق نے انہیں مقامات کے نظاروں کی بے چینی نے وہاں سے یہاں لا ڈالا ورنہ بیٹھے بٹھائے کیا پڑی تھی۔ جو لا خلقتنی کا شور مچا کر کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف پر کان لگاتے چلئے۔ غرض معلوم ہو گئی ساتھ ہی راہ بھی بنا دی گئی۔ انسان بنے مسجود ملائکہ ہوئے۔ بڑھے چڑھے بشریت کے کانٹے دامن پکڑنے لگے۔ دنیاوی خواہشوں نے خوب گرمایا یہیں جل جلا کر راکھ ہو جاتے۔ مگر سحاب ملکوتیت کے چھینٹے پڑتے رہے۔ میل ملاپ کی اُمید تسلی دیتی رہی۔ جنگ دامنگیر رہی۔ قدم بڑھتے رہے نشان منزل کچھ کچھ یاد آنے لگے۔ حافظے راہنمائی کی۔ تخیل نے ہمت بندھائی۔ یہاں آنا بہانا معلوم ہونے لگا۔ آکر جانا یقینی نظر آنے لگا۔ بچھڑ کر ملنا گم ہو کر پانا حق ٹھیرا۔ یہی تگ و دو راہ ذکر پر لگا لائی عالم قدس کی سیاحت پر کمر باندھی۔ لب بند چشم بند گوش بند کا مرکب بنا پہونچے۔ جھروکوں سے کچھ نظر آیا۔ کنکھیوں سے کسی نے غمزہ کیا تھا غلط انداز نظر ڈالی۔ اب کچھ نہ پوچھو کیا ہوا اور کیا نہ ہوا۔ شکر ہے پرانی آرزو پوری ہوئی یاس ٹوٹی۔ آس بندھی۔ کامیابی نے مجرا دیا۔ ناکامی درگور ہوئی۔ تمنا کا عشرت محل اپنی طرف بلانے لگا۔ ارادوں کی رفعت منزل کا دروازہ کھلتا نظر آیا۔ بام مراد کی سربست آزادی لبیاں لیتی نمودار ہوئی۔ برسوں کے بچھڑے ملے۔ ہم حق

وحواس دل و دماغ ضبط و قرار نے مقام محو پر پہونچا کر رخصت چاہی طلب صادق نے پھر چلایا۔ شوق نے پھر گدگدایا۔ ضعف تھکن ماندگی خستگی اب کہاں یہ پاؤں کی بیڑیاں عالم اظہار ہی تک سد راہ تھیں اب تو کمند شوق کے لیئے گردن وقف ہے۔ اور کوچہ گردی کو اضطراری حرکت قدم آمادہ وہی مرید اسی کا ارادہ اودھر ہی سے جذب وانجذاب کس کا اختیار۔ کون مختار الحق اسی میں سب کو فنا اور صرف اسی کو بقا۔ ہر علت کا صرف اسی کی طرف رجوع اور ہر سبب کا اسی کی طرف میلان۔ ہر قوت میں اسی کی کشش اور ہر کشش میں اسی کا اثر۔ ہر اثر کا وہی موثر اور ہر موثر کو اسی کا اثر۔ باقی سارا شور و شغب بیکار خودنمائی کے دریا کا تلاطم بہائے لیئے جاتا ہے۔ کون جاتا ہے۔ کوئی نہیں نہ بانگ جرس۔ نہ آوازِ وحدت حدی خوان کثرت میر قافلہ۔ اسی کو مقام طُس کہو و ظاہری سمجھ کو خالی الفاظ سمجھا دو۔ شاہد معنی کا گھونگٹ نہ اٹھاؤ۔ راز سربستہ کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ دل کی بات زبان تک نہ لاؤ۔ لب کھولو۔ دیکھو۔ بولو مگر مفہوم معنی گیر مراد نہ ہو۔ دیکھنا ہو تو عرفان نفس کے آئینے میں عرفان الٰہی کی عکسی تصویر موجود ہے۔ یہاں پہونچکر کچھ ایسی بجلیاں چمکیں کہ خرمن ہستی اعتباری کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ وہی رہا جو تھا۔ وہی تھا جو رہا۔ کون تھا کون رہا صفت کی موصوف میں سمائی۔ موج کا دریا سے میل ضو کا شمس سے اتحاد یہی مقام محق ٹھیرا۔ اب اور آگے کس کس طرح جانا ہوتا ہے۔ اس کو اس مقام پر پہونچ جانیوالے خود ہی جان لیا کرتے ہیں کٹھن منزلیں یہی ہیں مشکلیں یہیں تک ہیں۔ انہیں مقامات تک پہونچنے کے لئے ضرورت ہے۔ کہ پہلے دل صاف کیا جائے۔ اندھے آئینے میں کیا خاک نظر آئے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ تمام احوال و علایق سے علیحدگی اختیار کیجائے تمام آرزوئیں۔ تمنائیں دل سے دور کی جائیں۔ اس مرحلہ میں وہی لوگ جلد نکل

جاتے ہیں جن کو کسی کی تیر نگاہ کی چوٹ دل پر لینے کا موقع ملا ہے۔ یہ تیر اس حکمت سے لگایا جاتا ہے کہ پھر دل کا روزن وار ہوجانا تمام چیزوں کا اپنے میں سے نکال دینے والا ہوجاتا ہے۔ اور اگر کچھ اِدھر اُدھر سے آجائے تو اس کو قیام پذیر نہیں ہونے دینا ہوتا ہے۔ پہلے سے آداب احکام شریعت کی پابندی کی عادت عجز و انکسار کی حالت تو پیدا کئے ہوتی ہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی کمال پیدا ہونا ممکن ہی نہیں اب دل ٹوٹا۔ جگر کا زخم نہیں ہوئی۔ ہوک اٹھی۔ درد کا مزہ ملا۔ وصل و ہجر کے معنی سمجھائے گئے۔ مرشد کامل کا تصور خضر راہ بنکر لے چلا۔ اس کے لئے بے صبری نہیں چاہئے۔ بلکہ اوّل اوّل جتنے قدم گرمیہ جاتے ہیں۔ منزل ابھی کتنی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا پہلے اپنے پر قبضہ کرو۔ پھر دوسرے کو اپنا بنایا جائے۔ اپنے دل و دماغ اپنی آنکھ کان اپنے ہاتھ پیر سب اپنے کہے میں رہیں۔ اپنا کیا اپنا چاہا یہی ہے کہ منزل مجاہدہ میں ثابت قدمی دکھائیں۔ سوا راہِ طلب کے دوسرے راستہ میں حرکت کا خیال بھی نہ لائیں۔ پاؤں اپنی حقیقی منزل کی طرف بڑھیں طوطے زبان اسی سچی نغمہ سرائی میں مصروف رہے جو اس کے واسطے سچا مجاہدہ ہے۔ غرضکہ اسی مجاہدہ کا نام تعمیل احکام شریعت ہے اس سے نکلکر لنھدینھم سبلنا کا سبزہ زار ہے۔ جسکو طریقت کا منظر دلکش و روح پرور کہا جاتا ہے اور انہیں دونوں سے الا لیعبدون کی تکمیل ہوتی ہے۔ بغیر اس کے نہ کچھ محنت محنت ہے نہ کوئی نتیجہ خیز کام۔ اصلی تصوف وہی ہے جس کے آئینے پر شریعت کی قلعی ہو۔ حقیقی عرفان اسی کا نام ہے۔ جس میں حکم خدا و رسول کا اتباع ہو۔ طالب کا پہلا درجہ یہی ہے کہ اس کے ہاتھوں میں شرع کا نہ چھٹنے والا دامن ہو۔ صوفی کا اطلاق اسی وقت صحیح ہوتا ہے۔ جبکہ کمال عجز و بندگی کا مفہوم پورا ہوجائے۔ سلوک کے طے اور تمام ہوجانے کا سہرا اسی وقت باندھنا

نصیب ہوتا ہے۔ جبکہ توبہ اور سچی توبہ رضا و تسلیم اور خالص بندگی کی رضا و تسلیم کی خو ہو جائے۔ پھر زہد کے میدان میں ثابت قدمی کا امتحان اور مضبوط جائزہ دیدیا جائے پھر توکل اور ماسوی سے احتیاج کا دشوار مقام بھی آسانی سے ہم آغوش ہو جائے اور اسی کا رکن اعظم قناعت بھی اپنے قبضہ سے باہر نہ ہے۔ پھر گوشہ نشینی تنہائی سے علیحدگی سے رفیق و مونس کا کام لیا جائے۔ پھر صبر کے ناگوار اور حلق سے نہ اترنے والے خشک اور تکلیف دہ نوالوں کا عادی ہونا ضرور ہے۔ پھر عالم اور خدا کی یاد میں مدہوشی کا ساغر پینا بھی لازمی ہے۔ پھر مجاہدہ نفس کشی ہر خواہش کا اُٹھتا سیلاب روکنا بھی لازمی ہے جب تک ان مراتب کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ان امتحانوں میں کامیابی کا موقع نہیں ملتا۔ واقعہ اصلی کمال اور حقیقی شان جادہ آرا نہیں ہوتی۔ بعض کم ہمت ایک ہی دو مرحلوں میں بہک جاتے ہیں۔ ظاہر میں سمجھے ہیں ہم چھک گئے۔ مگر اُن کو ایک قطرہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ نفس کی سرکشی جب تک کوئی توڑنے والا نہ توڑے یہ کافر رام نہیں ہوتا۔ خواہشوں پر جب تک نادہانی کا بار نہ ڈالا جائے اُنکا بل نہیں نکلتا۔ ارادہ کی باگ جب تک سخت ریاضتوں کے ہاتھ میں نہ دیدی جائے۔ اس کی اچھل کود نہیں جاتی۔ ناقص حالت میں بھی سب دھوکہ دیدیتے ہیں۔ کھوج کھو دیتے ہیں۔ بظاہر بہت کچھ دلفریبی کا ساز و سامان ہوتا ہے۔ مگر باطن میں بھی اسباب غارتگری و ادعائے غیر واقع کا مقدمہ بنجاتے ہیں۔ دماغ میں دوسری ہوا بھر جاتی ہے۔ خیالات واقعیت سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔ نفس کی حیلہ سازی واہمہ سے سانٹھ گانٹھ کرکے ہمچو ما دیگرے نیست کہلوا کر سوہیت دور کی سوجھاتی ہے مگر غلط۔ اسی واسطے اصولی تعلیم کی ضرورت ہے اور ایسے رہبروں کی حاجت ہے جو بھٹکا دیکھ کر ہاتھ پکڑ لیں۔ اور راہ پر لگا دیں آئین اور قواعد بتا کر صحیح معلومات کا پتہ دیدیں۔ مشقتوں کا دقتی

عادی بنا کر آنے والی راحتوں کا سب سامان درست کر دیں۔ ایسی ہی ضرورت کو محسوس کر کے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیدینے کی اہمیت ملحوظ رکھی جاتی ہے ورنہ مطلق العنانی کے تیر سینہ چھلنی کر ڈالتے ہیں اور کسی لاج رکھنے والے کا نہ ہونا تباہ کر دیتا ہے۔

حاضرین جلسہ۔ میں نے جو کچھ بھی عرض کیا وہ مجھ پر اکثر گذرا ہوا حال یا میرا تجربہ ہے۔ میں کامل وثوق اور صحیح دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جب تک معرفت وطریقت کی باضابطہ تعمیل وتکمیل نہ ہوگی۔ ہماری روح کو اس کی محبوب و مرغوب غذا ملنی محال ہے۔ تاوقتیکہ پاؤں نہ چلیں گے ہاتھ نہ ہلیں گے دل ودماغ اور ظاہری وباطنی قوت پر اثر نہ پڑے گا۔ کچھ ہاتھ آنیوالا نہیں اور کوئی کام سنورنے کا نہیں۔ کسر ہے مرسی کے سانچہ میں جب تک ہم خود نہ ڈھل جائیں گے ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بربادیوں کے لئے جو وقف ہو گیا آبادی میں اُسی کے نام کا سکہ چلنے لگا جو کسی کا نہ رہا۔ سب اس کے ہو گئے۔ من کان للہ کان اللہ لہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے مانگے سب کچھ مِلجاتا ہے۔ بے طلب عطا کا بادل گھر پر برس جاتا ہے۔ مگر یہ میاں کی وہ نوازش ہے جس کے لئے ہمارے پاس کوئی قاعدہ قانون نہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء مگر حکم یہی ہے ولکم ما کسبتم۔

جناب صدر انجمن صاحب۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں آج کا دربار اپنی تقریر سے اپنے نامزد کر لیا اور تقریباً سارا وقت ہو گیا۔ میں نے تقریر کی اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا مگر خبر نہیں حاضرین دربار کو محظوظ کرنے میں کامیاب بھی ہوا یا نہیں۔ اب مجھے حاضرین دربار سے صرف اتنا کہنا ہے۔ شروع جلسہ دربار کے وقت آپ لوگوں کو بتایا گیا تھا۔ کہ اراکین دربار میں کچھ

مشورہ ہو رہا ہے۔ وہ ایک امر اہم تھا۔ جس کا تصفیہ ہو گیا اور حضرت صدر انجمن صاحب نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ اب درسگاہوں میں ساتھ ساتھ دونوں تعلیمیں ہونی چاہئیں۔ ایک وقت ہمارے طلبا مطالعہ کتب درسیہ میں مشغول و مصروف ہوں تو دوسرے وقت کتاب دل بہ نظر غور و فکر دیکھا کریں۔ ایک استاد حدیث و فقہ، معانی و بیان، ادب و سیر، فلسفہ و منطق پڑھائے تو دوسرا تمام تصورات کو تصدیقات کر دکھائے۔ مجھے اُمید ہے کہ حضرت صدر انجمن صاحب کا یہ حکم آج سے اشاعت پاکر عمل درآمد کا جامہ پہنکر بزم علماء میں عزت و قبول کی کرسی پائیگا۔ اور اپنے وجود سے مفید نتائج کا باعث ٹھہر کر قدیمی جوہر کو چمکائے گا تاکہ ہم میں پھر گذشتہ کمالات چلتے پھرتے نظر آنے لگیں۔

اب میں رخصت ہوتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں آپ لوگ خلوص بھرے دلوں سے آمین کہیں۔

اے بے نیاز بندہ نواز تجھے اپنے نوازنے کا صدقہ اپنی شان کرم کا واسطہ ہمیں اپنا پسندیدہ بندہ بنا۔ اے درد و جگر چارہ درماں بتانیوالے۔ اے بیقراری کی قدر بڑھانیوالے اپنے بیقراروں کی اپنے دل جلے عاشقوں کی حرمت سے ہمیں بھی سوز و گداز محبت بخش۔ اے حسن مطلق تجھے مدنی حسین کے دوہری قسم ام پر دوہرا کرم کر۔ انکے اس نور والے منہ کی خیرات جو تجھے سب سے پیارا ہے ہمیں اپنے دربار میں چمکتے منہ والا بنالے۔ لاتو نکے لال اپنے پیارے کے پیاروں کی آبرو اور انکی وجاہت کا صدقہ اپنے یہاں ہمیں وجیہہ بنا۔ کشتگان فراق کا صدقہ۔ بدیسی جان نثاروں کی تڑپتی نعشوں کا واسطہ ہمیں اپنی طرف کھینچ لے۔ کربلا والے پیاسوں کے زندہ دار منہ کا وسیلہ ہمیں اپنی شراب عشق پلا۔ اپنی آہ سے آپ جلنے والوں کے لئے ہمارے دل و جان کو اپنی آتش الفت سے خاک کر دے۔ آمین آمین۔ ثم آمین

دربار کا تیسرا دن اور اُس کی زیب و زینت

یا اللہ کیا آج شام نہ ہوگی۔ سورج نہ ڈوبے گا۔ دن تمام نہ ہوگا۔ ہائے انتظار کی گھڑیاں بھی کیسی کٹھن ہوتی ہیں۔ اے مشرقی مسافر چل دیکھ دیکھ نظر اٹھا کر دیکھ وہ سامنے مغربی ساحل ہے بڑھ اور جلدی جلدی قدم ڈال اپنی منزل کھوٹی نہ کر آخر تجھے جانا ہے پھر دیر کیا ہے جا جا بس اب جلد جا اطمینان سے جا راضی رضا سے جا۔ ضد نہ کر ہٹ سے باز آ۔ آج یہ تیری لگاوٹ ہمیں نہیں بھاتی۔ آج تیرا جلوہ ہم سے نہیں دیکھا جاتا۔ آج ہمارے پاس تیرا کچھ کام نہیں۔ جا مغربی چادر میں اپنا تمتماتا چہرہ جا کر چھپا لے۔ تیز تیز نگاہوں سے ہمیں نہ دیکھ۔ اپنا غصیلا چہرہ غضب آلود چتون قہر آمیز جلوہ ہمیں نہ دکھا۔ لیلائے شب کی راہ نہ روک اُس کو ہمارے پاس آنے دے۔ خدارا رخصت ہو۔ سلام ہے احسان کر آج تو ذرا جلدی سے اپنا عمل دخل اٹھا لے۔ کبھی تو منت سماجت مان لیا کر۔ روز کے آنے جانیوالے کو اتنی رکھائی نہ چاہیئے۔ وقت نکل جائے گا بات رہ جائے گی۔ بس شوخی ہو چکی ہٹ پوری ہو گئی رخصتی سلام۔ پھر ملیں گے خدا حافظ"۔

یہ ایک آواز ہے جو برابر ترقی کرتی جاتی ہے۔ لہجہ نہایت بیقرارانہ ہے طرز کلام سے بلا کی اضطرابی پائی جاتی ہے۔ یہ حضرت ایک وسیع میدان میں کھڑے یہی صدا لگا رہے ہیں اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر سورج سے اشارہ کر رہے ہیں آنکھ ملا ملا کر نصیحت خوشامد غصہ خفگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اپنے خیال میں کامیابی کی اُمید پر تمام حرکات اضطراری دکھا دکھا کر کرۂ نور پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں۔ ہیں پختہ کار۔ پختہ خیال۔ اُس وقت تک یہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ جبتک دن

نہ ڈھل گیا۔ شام ہوئی سورج ڈوبنے لگا۔ ہلکی ہلکی سرخی سبز سبز پتوں پر بسنتی رنگ چڑھانے لگی اور دیکھتے دیکھتے یہ بہار بھی آخر ہو گئی۔ مسجدوں سے اللہ اکبر کی دل ہلا دینے والی صدائیں آئیں۔ جو اپنی کشش روحانی سے تمام مخلوق کو دنیاوی معاملات سے رو گرداں کر کے مسجدوں میں سمیٹ لے گئیں ؞

رات آئی شان ستاری کا جلوہ دکھایا گیا۔ اور ہر کس بخیال خویش خبطے وارد رہے اپنے مذاق کے مطابق راہ لی۔ ہم نے بھی اپنے پراگندہ خیالات اور منتشر ہوش وحواس سے رخصت لی آنکھ بند کی دربار علم کا راستہ لیا۔ یہ راستہ جس طرح طے ہوتا ہے وہ قدیم وجدید دونوں فلسفوں سے نرالا فلسفہ ہے اس فلسفہ میں زمین طویل تباہی گئی ہے جس پر کمند تخیل کی مدد سے رسائی ہوتی ہے۔ یہ منزل قطع کر کے ہم جہاں پہنچے وہ ہمارا دیکھا بھالا جانا پہچانا دربار محل ہے۔ معمول کے مطابق حاضری ہوئی۔ مقررہ جگہ پر نشست ہوئی۔ ادب آداب سے فراغت پائی ہے کارروائی شروع ہوا ہی چاہتی ہے۔ اطمینان ہو گیا۔ سنبھل گئے۔ دیدۂ شوق نے اپنا کام شروع کیا۔ حضرت صدر انجمن صاحب کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا۔

حاضرین جلسہ۔ آجکا دربار جن بزرگ کے نام زد ہے وہ میرے ایسے دوست ہیں۔ جن پر مجھ کو اور میرے تمام بھائیوں کو فخر ہے اور جب تک میں زندہ رہوں گا۔ ان پر فخر کرتا رہوں گا۔ یہی وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنے زبردست دلائل اور پرزور قلم سلیم وصائب دماغ سے نقلی مسائل احکام کو عقلی زیور پہنا دیا۔ یہی وہ صحیح الادراک چاشنی گیر حکمت متکلم ہیں۔ جن کی حکیمانہ بحثیں نہ ٹوٹنے والے اثر رکھتی ہیں انہیں کے قائم کردہ برہان نہ ٹوٹنے والی قوت رکھتے ہیں۔ یہی وہ ذات ہے جو سلاتی حلقہ میں علم کلام کی زندہ کرنے والی سمجھی جاتی ہے اور اسی جبروت والے وجود کو اس کے مخالف تک غیر معمولی دماغ و علم والا انسان کہتے ہیں ؞

یہ کہکر حضرت صدر انجمن صاحب نے ہاتھ بڑھایا اور برابر کی کرسی پر جو مقدس بزرگ تشریف رکھتے تھے انکی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ یہی وہ بزرگ ہیں فخر الائمہ امام فخر الدین رازی ان کا نام ہے۔ آج انکی زبردست تقریر ہوگی۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے دوست تکلیف گوارا فرماکر کافی وقت لیں گے جس سے بہت سے نہال آرزو بار آور ہو سکیں گے۔

یہ فرماکر حضرت صدر انجمن صاحب بیٹھ گئے۔ حضرت امام رازی اُٹھے سنت اسلام کی ادا کی آسمان پر السلام علیکم کی بجلی چمکی۔ سارا مجمع چمک اُٹھا وعلیکم السلام جزاک اللہ مرحبا کا ترشح ہونے لگا۔ اُس کے بعد امام نے تمام ارکین دربار و صدر دربار کا شکریہ ادا کیا اور تقریر شروع کی۔

تقریر حضرت فخر الائمہ امام فخر الدین رازی

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن

حاضرین جلسہ میں نے بھی وہی آیت تلاوت کی ہے۔ جو مجھ سے پہلے میرے بزرگ دوست حضرت غوث الاعظم نے پڑھی تھی۔

حضرت غوث الاعظم کی تفسیر اور میری تقریر ظاہر و باطن کی امتیازی فرق کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوگی۔ میرے بزرگ غوث الاعظم نے جو باریک مسائل عالم ستر کے متعلق بیان کئے تھے۔ اُس کے بعد میرا کچھ عرض کرنا ٹھیک نہیں مگر میں اُسی تصویر کے دوسرے رُخ پر ایک سطحی ظاہری نظر ڈالوں گا۔ اور شاہد معنوی کی صورت اور عالم کو مسخر کرنیوالی ظاہری صورت کا نظارہ کراؤں گا۔

صاحبو علم کمال ہے اور جہالت نقصان۔ اور یہ وہ بدیہی مسئلہ ہے جس پر کسی برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ فطرت انسانی اس کا صحیح فیصلہ کردیتی ہے

دیکھئے جب کسی عالم کو جاہل کہا جائے گا۔ تو اس کو روحانی تکلیف ہوگی۔ باوجودیکہ وہ جانتا ہے کہ یہ قول غلط ہے۔ اسی طرح جب کسی جاہل کو عالم کہدیجئے گا۔ تو اُس کو خوشی ہوگی۔ حالانکہ وہ خود جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ علم میں ذاتی شرافت ہے اور علم کمال ہے بخلاف اس کے جہل نقصان ہے آپ لوگ غور فرمایئے کہ انسان کو حیوان پر فضیلت بخشنے والی کیا وجہ ہے۔ کیا انسانی قوتیں بزرگی و شرف کا باعث ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں کہوں گا کہ اس حیثیت سے تو حیوان ہی کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ بعض حیوانوں میں ایسی ایسی قوتیں پائی جاتی ہیں۔ جنکا عشر عشیر بھی انسان کو میسر نہیں مثلت مثلاً ہاتی کی قوت شامہ چیل کی قوت باصرہ چیونٹی وغیرہ کی دوسری قوتیں انسانی قوتیں ان کا پاسنگ بھی نہیں۔ پھر انسان کی وہ بزرگی جو عقلاً نقلاً ہر طرح ثابت ہے کس وجہ سے ہے۔

صاحبو اس کا سبب یہی علم ہے جو حقائق اشیا کے ادراک سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تمام مخلوق میں سوا حضرت انسان کے کسی کو یہ خصوصیت نہیں دیگئی۔ یہی اُس حسین ازلی کے پردہ کی باتیں ہیں۔ جو حضرت انسان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہی اُس سراپا ناز و غرور کی رضا کا طریقہ ہے جو حضرت انسان پر کھول دیا گیا ہے جس نے انکو ظاہری طور پر عبادت میں مشغول و مصروف کر دیا ہے اسی کے لئے ارشاد کیا جاتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہی وہ بزرگی ہے جسے علم کہا جاتا ہے۔ اسی کے سبب حضرت انسان کا سمند خیال میدان ملکوت کو اپنی جولانگاہ بنائے ہوئے ہے۔ اسی کے سبب حضرت انسان دریائے معقولات کی طوفان خیز موجوں میں اپنی کشتی نہایت اطمینان و سلامتی سے کھیلتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کے سبب حضرت انسان کو موجود و معدوم واجب و ممکن و محال قدیم و حادث

ے روشناسی کا موقع ملتا ہے اور پھر روشناسی انکو آشنائی تک پہنچانے میں مدد دیتی ہے جس کے سبب جوہر و عرض۔ جوہر بسیط و مرکب اور اُن کے علیحدہ علیحدہ انواع و اجزا خواہ وہ اجزا اشترکی ہوں یا امتیازی انکا سراغ ملجاتا ہے۔

صاحبو۔ اسی بزرگی کے سبب جسے علم کہا جاتا ہے ہر شے کا اثر اور اُس کے مؤثر کا حال معلوم ہوتا ہے۔ معمول و علت لازم و ملزوم کا پتہ چلتا ہے۔ کلیتہ و جزیتہ کی حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ وحدت و کثرت کا راز بستہ کھل جاتا ہے۔

یہی وہ کمال کی شاہ راہ ہے۔ جو منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی واسطے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن کہا جاتا ہے اسی کمال کے حاصل ہو جانے کے بعد روح انسانی عالم ارواح کی نقاب کو اُٹھا دیتی ہے اور مدتوں کے محروم ناروں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مجھے اپنے ایک بزرگ کا مقولہ یاد آیا فرماتے ہیں "جس طرح بدن بغیر روح کے مردہ ہے اسی طرح روح بغیر علم کے مردہ ہے"۔

یہی تو زبردست فلسفہ ہے جو روح کے اور اکمات کے مسئلہ کو حل کر رہا ہے۔ اسی کی طرف صحیفۂ فطرت اشارہ فرما رہا ہے۔ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا

حضرات علم روح کی روح اور نور کا نور ہے۔ اس کی وہ زبردست خاصیت ہے جو اس کو فنا کے ظالم ہاتھوں سے بچائے رکھتی ہے۔ علم ہی وہ شباب ہے جس کے جوبن کو کبھی پیری کا منحوس منہ نہ دیکھنا پڑے گا۔ علم ہی گلشن سدا بہار ہے جس کی خزاں بھی بہار کے روپ میں آتی ہے۔

علم ہی وہ حسین ہے جس کے بڑھتے چڑھتے حسن کا جادو کسی منتر انچھر سے نہیں اُترتا۔ علم ہی وہ بزرگی ہے جو سرکار ازل و ابد قرار سے خلوت اختصاص پائے ہوئے ہے۔ دیکھیے اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا کے جواب میں اپنی صفت قدرۃ سمع بصر و جوب و قدم کا اظہار نہیں کیا جاتا ارشاد ہوتا ہے۔ تو یہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اس سے معلوم ہو گیا کہ علم ہی تمام صفات میں اشرف و اعلیٰ ہے۔

علم ہی کے سبب حضرت آدم مسجود ملائکہ ٹھیرے اور اسی بزرگی کے باعث وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ کا زرین تاج حضرت انسان کو دیا گیا۔ اسی بزرگی نے اجرام علویہ نورانیہ کی دلفریب فضائیں حضرت خلیل کو دکھا کر اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا دل رُبا منظر پیش نگاہ کر دیا۔ اسی بزرگی نے وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا تمغہ دلا کر حضرت خلیل کو متعلم سے معلم بنا دیا۔

یہی وہ شرف ہے کہ حضور جان عالم مظہر تجلیات رب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کا گلدستہ بنا کر دیا گیا اور اسی کو تقدیم کا مرتبہ دیکر وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی فرما کر احسان مالی پر فوقیت بخشی۔

صاحبو علم کی تعریف میں بہت اقوال ہیں۔ میرے دوست ابو اسحٰق اسفرائنی فرماتے ہیں "حقائق کے ظہور کا نام علم ہے"۔

استاد ابوبکر بن فورک کہتے ہیں "علم وہ جو عالم کے احکام فعل اور اس کے تعیّن کو صحیح کرے"۔ قفال کی رائے ہے "علم معلوم کے اثبات کا نام ہے"۔

امام الحرمین تقسیمی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کسی شئے کے ساتھ اعتقاد اگر یقینی ہو اور مطابق واقعہ ہو اور اس میں نفس اطراف موضوع محمول کا لحاظ کیا گیا ہو تو وہ علم بدیہی ہے اور جو ان امور ضروریہ اور علوم مابہ النظر کی ترکیب سے حاصل ہو وہ علم نظری ہے۔

بعضوں نے علم کی تعریف معرفت سے کی۔ کسی نے اس کو نہ مانا اور یہ کہا کہ اس تعریف پر تعریف الشئے بنفسہٖ لازم آتی ہے۔ وھو محال۔ دوسرے یہ کہ خدا کو عالم کہا جاتا ہے نہ عارف اس لیے کہ معرفت چاہتی ہے کہ اُس سے پہلے جہل ہو۔ وھو محال

تعالیٰ عمال"۔

صاحبو علم کی تعریف و تقسیم میں بہت اختلاف پڑا ہوا ہے۔ لغوی معنی تو صرف دانستن و دانش ہو گئے۔ اب اصطلاحی معنوں پر نظر ڈالیے تو نت نئی نسبتوں اور مختلف اضافتوں کے سبب یہ چھوٹا سا لفظ قلعہ معلومات بنا ہوا ہے جس کی شاندار عمارت کے استحکام کے لئے کہیں منطق کی چار دیواری کھینچی جاتی ہے۔ کہیں فلسفہ کی آہنی فصیلوں کی تیاری ہوتی ہے۔ کہیں پر جوش خطیب و فقیہ اور زبردست مفسر و محدث۔ اس کی جلالت و شان ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ کہیں جفار و نجومی اس کی نیک ساعت کی دیکھ بھال میں رہتے ہیں۔ کہیں علم الٰہی اس کا لقب ہے کہیں طبعی اس کا وصف ہے کہیں ریاضی اس کا نام ہے کہیں منطق و معانی و بیان وغیرہ اس کے اوصاف ہیں۔

مجھے یہ ایک مختصر بات یہاں کہنا ضرور ہے۔ جس کی تہ میں میرا تجربہ اور مفید سبق اور کارآمد نتیجہ چھپا ہوا نظر آئے گا اور ایک بسیط مسئلہ پر کافی روشنی پڑ جائے گی۔

صاحبو علم کمال ہے اور کمال کی انتہائی منزل تک پہنچانے والا کمال ہے۔ مگر ساتھ ہی علم ہی کے سبب زوال اور پستی کی بھول بھلیاں بھی دیکھنی پڑتی ہیں۔ علم ہی سے ہدایت ہوتی ہے اور علم ہی گمراہ کر دیا کرتا ہے۔ اگر کمال شرافت دارین کا انحصار علم ہی پر ہوتا۔ تو ابلیس اشرف المخلوق ہوتا۔ اس مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں حضرت علم کے زوردار دریا اور اُنکی بڑھتی اُٹھتی لہریں موجیں ہر وقت ہر تشنہ کو سیراب کرنے کے لئے اطراف عالم میں اپنا وجود نیک نامی کے پہلو میں رکھتی ہیں۔ وہاں ضرورت ہے کہ اُنسے سیرابی کے آئین و قواعد اُن لوگوں سے معلوم کئے جائیں جو خود سیراب ہو کر بارہا دوسروں کو سیراب کر چکے ہیں۔ ورنہ ڈر ہے کہ یہ سیرابی بیوقت و بے موقع ہو کر تشنہ لبی کی تکلیف سے بھی بڑھکر کوئی اور ستمی ماتم

مرض نہ پیدا کردے۔ یہیں سے حضرت علم کے دو نام پیدا ہوتے ہیں۔ علم محمود و علم مذموم

اختلافات کا دور

یہ مانا جو ادخیر القرون کے دور کے بعد بظاہر زمانہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں علماء متبحرین موجود تھے۔ مگر میرا خیال ہے کہ ساری خرابی کا باعث ہماری نقادی ہوئی اور اسی کے خود تسلیم کردہ خیال نے ہمارے جوش طبیعت پر ایک بہت تیز اثر طاری کر دیا۔ جس نے ہماری کایا پلٹ دی اور اتنا موقعہ نہ دیا کہ جو اطمینانی مشورہ سے صحیح غلط کی تمیز ہو سکتی۔ آپ لوگ غور فرمائیں حضرات ماتریدیہ و اشاعرہ میں کچھ ایسا اختلاف نہ تھا جو ایک دوسرے کی تفسیق بھی روا رکھتا یا جو نادانی و کج فہمی سے بڑھتے بڑھتے آخر کار ایک کو دوسرے کا مخالف ٹھہرا دیتا اصولی نزاع چل نکلتا اور اُن کے آپس میں اعتقادیات کی ٹکریں ہونے لگتیں۔ تکوین کو حضرت ماتریدیہ نے صفت وجودی مانا۔ اور حضرات اشاعرہ صفت اعتباری کہتے رہے۔ یا حضرات ماتریدیہ کی رائے ہے کہ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا حضرات اشاعرہ اُس کی زیادتی کے قائل ہیں حضرات ماتریدیہ کے نزدیک ہر شے کی اچھائی برائی عقل سے ثابت ہوتی ہے اور حضرات اشاعرہ اس کو شرعی کہتے ہیں۔

یہ اختلافات کچھ اصولی اعتقادی اختلافات نہ تھے۔ مگر دیکھیے یہیں معتزلہ نے ایسا رنگ لگایا اور وہ داؤں چلا کہ مذہبی اختلاف اور اصولی و اعتقادی جھگڑا نکل کھڑا ہوا غور کا مقام ہے قرآن شریف کی وہ آیتیں جو بظاہر مخالف عقل سی معلوم ہوتی تھیں۔ انکو معتزلہ نے کیسے بڑے سانچہ میں ڈھالا اور کیسی بھونڈی عقل سے اس مسئلہ میں غلط استدلال کیا اور معمولی اختلاف کو اتنا کھینچا اور خواہ مخواہ اتنا اظہار علم کیا کہ آخر کو اصولی نزاع کی خلیج عمیق میں گرنا پڑا۔ ملاحظہ ہوں قرآن عظیم کی وہ آیتیں جن میں ید اللہ وجہ اللہ وغیرہ الفاظ آگئے ہیں یا آیۃ ان اللہ استوی علی العرش

یا ذکر صراط و احوال برزخ وغیرہ انکی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ نقل مخالف عقل ہے۔ اور جب نقل مخالف عقل ہوتی ہے تو عقل کا فتویٰ مانا جاتا ہے۔

اس مقام پر یہ امر پیش نظر رکھنا ضرور ہے کہ نقل کا مخالف عقل ہونا دو طرح پر ہے ایک یہ کہ عقلاً نص کے مضمون کے محال ہونے پر کوئی قطعی دلیل قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ مضمون نقل کے محال ہونے پر عقلاً کوئی دلیل تو قائم نہیں مگر عقل اس کو مستبعد سمجھتی ہے۔ حضرات اشاعرہ اس دوسری صورت میں یعنی عقل کے محض مستبعد سمجھنے کی صورت میں ظواہر نصوص کو نہیں چھوڑتے۔ بلکہ پہلی صورت میں جبکہ عقل نقل کے مضمون کو قطعاً محال سمجھتی ہے۔ تو ظاہری الفاظ نقل ونص سے دوسرے معنی کی طرف تجاوز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ احوال صراط و قبر و برزخ وغیرہ سب کو ثابت کرتے ہیں اور مانتے ہیں کیونکہ عقل انکے امتناع پر کوئی قطعی دلیل نہیں رکھتی۔ اور جن آیتوں سے خدا کے لئے جسمیت وجہت کا وہم ہوتا ہے۔ ان میں حضرات اشاعرہ تاویل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ امور عقلاً متعلقات و لوازمات ممکنات ہیں۔ اور واجب ذاتی کے منافی اور یہ تاویل حسن بالضرورت ہے۔ بخلاف اس کے معتزلہ عذاب قبر و احوال برزخ و صراط وغیرہ کے منکر ہیں۔ اور محض استبعاد عقلی کے سبب ان امور کو نہیں مانتے۔ حالانکہ عقل مفتی ہے کہ قدرت الٰہیہ میں یہ امور محال نہیں۔ دیکھئے حضرات اشاعرہ و ماتریدیہ میں تو کچھ بھی اختلاف نہ تھا اور معتزلہ و اشاعرہ میں بھی بظاہر کوئی فرق معلوم ہوتا تھا۔ مگر ایسا اختلاف کا پہلو نکل آیا۔ جس نے بہت سختی سے ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا۔ پھر اور بڑھکر جہمیہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ جہمیہ۔ عندیہ۔ لاادریہ کتنے بہت سے فرقے بن گئے۔ نوبت بانجا رسید کہ وجود باری اور قدرت الٰہی میں بھی شکوک واوہام کا گزر ہونے لگا۔ کوئی حقائق اشیاء کا منکر ہو بیٹھا۔ کسی نے عالم مجردات

کو نہ مانکر انکار قوت و عظمت شان قادر مطلق کا جرم اپنے سر لیا۔ کسی کو دوسری سوجھی کہ اس سلسلہ عالم اسباب کو خود بخود چلتا کرکے قوا رخدائی سے الگ تھلگ ہو بیٹھو۔ کسی نے مخلوق کو بیچ میں معلق کرکے اضطرار و اختیار و جبر کے ہاتھوں میں پھنسا مارا۔ غرضکہ ایک علمی ہتیار تھا۔ جس کو توڑ پھوڑ کر سینکڑوں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب بیکار ہو گئے اور پھر انکے کارآمد ہونے کی اگر کوئی شکل رہی تو یہ ہی کہ سب ملا کر یکجا کر دئے جائیں۔ یہ تعدد و تخالف مٹ جائے۔ اصلی شان خیر القرون کی جلوہ گر ہو جائے۔

صاحبو! میری توجہ ہٹ گئی اور میرا خیال ذرا وسعت سے دوسری طرف رخ کرنے لگا۔ اب میں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔ میں نے اس وقت تک جو کچھ کہا ہے۔ وہ حضرت صدر انجمن صاحب ہی کی تعریف و توصیف تھی اور انہیں کے مقامات و مراتب میں اتنا سلسلہ کلام بڑھ گیا۔ مدعا صرف اتنا ہے۔ کہ آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں جو شرف حضرت انسان و جن کو دیا جا رہا ہے اور انکو مخصوص بالعبادت کیا جا رہا ہے۔ اس کے آخر معنی کیا ہیں۔ اور مفہوم کیا ہوتا ہے اس الا لیعبدون کے تیور کچھ اور بتا رہے ہیں۔ اور پھر جن و انس کی قید میں جو ان آزادوں کی گرفتاری کا سامان ہے۔ یا کوئی موہ لینے والا اسرار آمیز راز ہے۔ وہ کسی کے عشق مسلسل کی طویل داستان ہے۔ جو کبھی ختم ہونیوالی نہیں۔ ہاں اس الا لیعبدون کا پھندا وہ جان سے زیادہ عزیز پھندا ہے۔ جس میں پھنسنے کے لئے ہر گردن تیار ہے۔ جس کے سودا کا ہر سر کو ارمان ہے۔ جس کی جستجو میں ہر دل بیقرار ہے اور ہر آنکھ جس کے بے مثال حسن کی مشتاق دید ہے۔ یہی وہ ہمہ گیر فرمان ہے۔ جس میں شاہ و گدا ایک صف میں نظر آتے ہیں۔ یہی وہ جبروتی حکم ہے۔ جس میں کسی کا استثنا نہیں اور کسی

کے لئے کوئی رعایت نہیں۔ یہی وہ زبردست قید ہے۔ جو عمومیت کے ساتھ سب پر لگائی جا رہی ہے۔

صاحبو۔ اس آیت کے متعلق دو ایک باتیں اور ملاحظہ ہوں۔ پہلے تو یہ نکتہ نزو دینے کے قابل ہے کہ آیت میں جن کو انس پر مقدم کرکے بتایا جاتا ہے۔ کہ عبادت ستریہ جس میں کسی عنوان ریا اور دکھاوے کا شائبہ نہیں ہیں محبوب ہے اور شرف قبول پانے میں مرتبہ تقدم رکھتی ہے۔ گویا ظاہر بینوں کو یہ ایک تازیانہ شفقت یا سبق محبت ہے۔ تاکہ وہ بھی ظاہر کو باطن کے رنگ میں ہم رنگ کر دیں۔

ایک یہ خیال بھی پیدا ہو کر عالم تشویش میں محققانہ گشت لگایا کرتا ہے کہ ملائکہ جن کے واسطے کہا گیا ہے لا یستکبرون عن عبادتہ اور جن کے وجود کی بڑی منفعت عبادت ہی ٹھہرائی گئی ہے کیوں اس آیت میں علیحدہ رکھے گئے اور کیوں نہ علی وجہ الفضیلۃ اُن کا ذکر کیا گیا۔ اس کے متعلق مجھے یہ توجیہ بہت پسند آئی ہے کہ بعض بت پرستوں کا خیال تھا کہ خداوند قدوس بڑا عظیم الشان ہے اُس نے اپنی عبادت کے واسطے ایک عظیم القدر گروہ پیدا کر لیا ہے اور وہ گروہ ملائکہ ہے حق عبادت الٰہی اُسی گروہ کو حاصل ہے۔ کیونکہ وہ مقربین دربار الٰہی ہیں۔ اور ہم لوگ اپنی کمزوری و پستی کے سبب عالم امکان کی پستی کے باعث اُس کی عبادت کے کسی طرح اہل نہیں۔ ہاں ہم اُن ملائکہ کی عبادت کے قابل ہیں۔ جو خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی وہم و خیال کو حضرت باری عز اسمہ ارفع فرماتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ کیونکہ ملائکہ تو عبادت کے لئے اہل مسلم ہو ہی چکے تھے۔ بحث صرف انسان وغیرہ میں تھی اس کو بیان کرکے اس واہی شبہ اور ضعیف و لغو خیال کو رد کر دیا گیا۔ میرا یہ خیال ہے کہ ملائکہ کا ذکر چھوڑا نہیں گیا۔ بلکہ وہ لفظ جن میں آگیا جس کو جن کے

منے (پوشیدہ رہنا نگاہوں سے اوجھل رہنا) صحیح ثابت کرنے میں میرے خیال کے مصدق ہیں۔

وجود ملائکہ

صاحبو! اس مقام پر مجھے بے اختیار ایک بحث چھیڑنی پڑتی ہے اور یہ کہنے کو میں تیار ہوتا ہوں۔ کہ بعض کوتہ دماغوں کو ملائکہ و جنہ کے وجود میں صرف اس وجہ سے کلام ہے کہ وہ نگاہوں سے اوجھل نظر سے دور ہیں عمدہ عمدہ دوربینوں قیمتی عینکوں بے مثل خوردبینوں سے محسوس نہیں ہوتے۔ اس کے متعلق کلام بہت طویل ہو سکتا ہے۔ مگر مختصر سی گزارش یہ ہے کہ ہر شے کے تسلیم وجود کے لئے اس کا ہر شخص کے پیش نظر ہونا ضرور نہیں۔ غور فرمایئے آجتک روح کا کوئی منکر نہیں۔ مگر کسی نے آجتک اس کو دیکھا نہیں۔ اربع عناصر میں سے صرف دو عنصر محسوس ہیں! اور یہ مقدمہ بھی مسلم ہے کہ جس نوع میں جو عنصر غالب ہوگا ویسے ہی اس کے آثار و افعال ظاہر ہونگے۔ پس وہ جسم جس میں اسطقس خفیف ناری یا ہوائی غالب ہوگا بیشک غیر محسوس ہو سکتا ہے۔ اور ملائکہ و اجنہ بھی جسم نوری و ناری مانے جاتے ہیں۔ اور انکے بدن لطیف ہوائی کہے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بت پرستوں کے ایک گروہ کا قول ہے۔ ملائکہ حقیقت میں وہ ستارے ہیں۔ جن کی صفت سعادت و نحوست ہے۔ انکے نزدیک ملائکہ زندہ ہیں۔ بولنے والے ہیں۔ تیسرا قول معظم مجوس ثنویہ کا ہے وہ کہتے ہیں عالم دو ازلی اصلوں سے مرکب ہے ایک نور دوسرے ظلمت! اور یہ دونوں حقیقت میں دو جوہر شفاف ہیں مختار ہیں حساس قدرت ہیں نفس و صورت کے اعتبار سے متضاد ہیں۔ فعل و تدبیر کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ جوہر النور اپنی اخلاقی لطافت سے اور طبعی صداقت سے نہایت عمدہ نفس کے ساتھ متصف ہے اور علاوہ ذاتی حسن کے باعتبار غیر بھی حسن سیرت اور حسن کرم کے زیور سے آراستہ ہے ہمیشہ نفع اور سرور پہنچاتا ہے۔ نقصان کی غارتگری اور

تباہ کن عادت سے بہت دور ہے۔ بخلاف اس کے جوہر ظلمت اپنی بجائی کے بالکل خلاف رو پہ چل رہا ہے۔ دونوں کی چال ڈھال سے اُنکے آپس کے رشتہ علاقہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ جوہر النور اولیا کو پیدا کرتا ہے۔ جو ملائکہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں اور یہ پیدا کرنا علی سبیل التناسخ نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح ہے جیسے جلیم سے حکمت آفتاب سے روشنی اور جوہر ظلمت ہمیشہ شیاطین کو پیدا کرتا ہے۔ یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو ملائکہ کو جسمانی نہیں مانتے اور انکو متحیز نہیں جانتے اُن میں سے ایک گروہ نصاریٰ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں" ملائکہ حقیقت میں اُس نفس ناطقہ کا نام ہے جو بدن سے جُدا ہے اور صافی وخالص ہے اور جو خبیث ومکدّر ہے وہ شیطان ہے اور ملائکہ کو جسمانی نہ ماننے والوں میں دوسرا گروہ فلاسفہ کا ہے وہ کہتے ہیں ملائکہ جوہر قائم بالذات ہیں۔ متحیز ومجسم نہیں ہیں نفس ناطقہ سے زیادہ قوت رکھتے ہیں اور بحیثیت علم بھی ان کا پایہ بڑھا ہوا ہے۔ یہ دو قسم کے ہیں ایک مدبرات عالم" دوسرے گروہ جن کو تدبیر وانتظام عالم سے کچھ سروکار نہیں۔ بلکہ وہ معرفت ومحبت الٰہی میں محو ومستغرق ہیں۔ انکو ملائکہ "مقربون" کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے اثبات پر فلاسفہ کا اتفاق ہے۔

یہ وہ خیالات ہیں۔ جو ملائکہ کے متعلق مختلف مذہب وملت کے حضرات نے ظاہر کیے ہیں۔ جن سے اس نوع کا ایک ممتاز نوع اور غیر معمولی قوت وطاقتوالا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ہماری اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ملائکہ اجسام نوریہ ہیں۔ مختلف شکلوں کے بدلنے اور زبردست قوتوں کے ظاہر کرنے پر قادر ہیں نہایت لطیف والطف ہیں۔ اور یہی لطافت ونورانیت ہمارے اُن کے درمیان میں اس عالم مکدر ظلمانی میں حجاب بنی ہوئی ہے۔

"معزز حاضرین مجھے ایک مختصر سی گذارش کرنی اور باقی ہے آپ

لوگ میری طویل تقریر سے اکتائے نہیں۔ انشاء اللہ نہایت کارآمد امر عرض کروں گا۔ اور اسی پر میری تقریر ختم ہو جائے گی۔

صدر انجمن صاحب نے فاضل مقرر کی حسن تقریر کی داد دیتے ہوئے فرمایا۔ آپ بلا تکلف فرماتے جائیے۔ تمام حاضرین نہایت شوق سے مزہ لے رہے ہیں۔ اور ہمہ تن گوش بنے ہوئے ہیں۔ فاضل مقرر نے پھر اپنا سلسلہ شروع کر دیا۔

"ان صاحبو! میں نے وعدہ کیا ہے ایک کارآمد مفید مگر مختصر گذارش کرونگا وہ یہ ہے کہ ملائکہ کے متعلق مختلف گروہ کے اقوال تو آپ نے سن لئے۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ عقلاً وجود ملائکہ ثابت بھی ہے یا نہیں۔ فلاسفہ نے جو دلائل قائم کئے ہیں۔ ان میں سے دو ایک آسان و واضح امر کا مجھے بھی عرض کر دینا ضروری ہے اول تو یہ غور فرمائیے کہ فرشتہ کی تعریف میں کہا جاتا ہے "وہ زندہ جسم ناطق جو میت نہ ہو" اب تقسیم عقلی پر نظر ڈالئے۔ تو وہ تین قسموں کا وجود چاہتی ہے۔

تقسیم عقلی اور نتیجہ

"قسم اول ہر زندہ یا ناطق و میت ہو گا جیسے انسان۔

"قسم دوم میت" تو ہو گا مگر ناطق نہ ہو گا۔ جیسے حیوان۔

"قسم سوم" ناطق ہو گا مگر میت نہ ہو گا۔ نتیجہ قابل غور ہے"۔ انسان والی تقسیم اوسط ہے اور حیوان والی ادنےٰ۔ جب حکمت الٰہی نے ان دونوں تقسیموں کا وجود چاہا۔ تو عقلاً اعلےٰ کا وجود بھی ضرور ادلے ہے اور وہ یہ ہے ناطق ہو میت نہ ہو جیسے ملائکہ دوسری بات یہ ہے" ہماری فطرت شہادت دیتی ہے کہ عالم سماوات عالم ارضی و سفلی سے اشرف ہے اور حیاۃ و عقل و نطق امور کمالیہ ہیں اور بالذات شرف و بزرگی رکھتے ہیں۔ اس مقدمہ کے بعد عقل کا لازمی نتیجہ ہے۔ کہ یہ بات نہایت فدنی و مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ اس عالم مادی میں تو امور کمالیہ حاصل

ہوں۔ مگر عالم سمٰوات نورانی میں جو اس عالم ظلمانی سے بدرجہا اکمل و اشرف ہے
وہاں حاصل نہ ہوں حکمت کا اقتضا ہے اور فطرت و عقل کا فتویٰ کہ وہاں ان امور
کو علیٰ وجہ الکمال ہونا چاہیے اور کچھ ایسے اجسام ہونا چاہئیں۔ جن میں یہ امور کمالیہ
اس عالم علوی میں پائے جائیں اور وہ یہی ملائکہ ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرات مجاہدین و مکاشفین نے وجود ملائکہ کو ثابت
کیا ہے۔ حکمائے اشراقیین سے بہت سے لوگ علیٰ طریق الاشراق وجود ملائکہ
ثابت کرتے مانتے رہے ہیں۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ وہ ہر مذہب جس کو ذرا سا بھی
ظاہری و باطنی علاقہ روحانیت و عالم علوی سے ہے وجود ملائکہ کو ثابت کر رہا ہے۔
ہر صحیفہ ہر آسمانی کتاب وجود ملائکہ کے لیے قطعی ثبوت رکھتی ہے۔ حکماء کو اکثر
معجونات و تریاقیات کی ترکیبیں اجنہ وغیرہ سے حاصل ہوئیں۔ اکثر سیاح و اصحاب
حاجات کو ایسی شکلیں اور ایسے آثار محسوس ہوئے جو موجودہ انواع اور اس کے اثر
و فعل سے امتیازی شان رکھتے تھے۔ اگرچہ یہ واقعات دلائل سمعیہ غیر قطعیہ کہے
جائیں گے۔ مگر ادراک صحیح رکھنے والے اور خلقت خالق کے مسئلہ پر غور کرنے والے
انکو قطعیات میں سے سمجھ سکتے ہیں۔ مذہبی طور پر تو ہم مسلمان بحمد اللہ اس مسئلہ کو
بھی اور مسائل قرآنیہ اعتقادیہ کی طرح مانتے ہوئے ہیں۔ اور ہرگز ہمیں ہماری ایمانی
غیرت اجازت نہیں دیتی کہ ہم قرآن عظیم کے خلاف اپنی ناقص و محدود و مغالطہ دہ
عقل کو ثواب پر سمجھنے کا خطرہ بھی دل میں لاسکیں یا تو بہ ظاہر نصوص کی بیجا
تاویلیں کردیں۔ اور خلاف معنی نکالیں یا مخالف داب مفسرین مصطلحات مقرر
کرلیں۔ اجماع مستندین سے جدا راہ چلیں۔ آپ بھی ٹھوکر کھائیں اور
دوسروں کو بھی کسی گہری پستی میں پہنچائیں۔ یہ امر ہر وقت پیش نظر رکھنا ضرور ہے
کہ خدائی احکام و اعتقادیات کسی کی عقل کے پابند نہیں۔ جب تک کسی امر کے خلاف

عقل ہونے پر کوئی قطعی برہان قائم نہ ہو اور تا وقتیکہ کوئی مسئلہ خدائی اصول کے مخالف نہ ہو۔ محض استبعادِ عقل اور اپنی کوتہ دماغی اور کج فہمی کے سبب اُس کا انکار کر دینا عقلاء سے بعید ہے اور پڑھے لکھوں کا کام نہیں۔

اسی مسئلہ وجودِ ملائکہ کو لے لیجئے اور دنیا کے عقلاء سے پوچھ لیجئے کہ اس پر کونسا برہان قطعی باطل کرنیوالا قائم ہے کہ ایسا وجود نہیں ہو سکتا۔

صاحبو! اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں نے مجھے یہ عزت دی کہ میری تقریر کو بخوشی خاطر سنا، پسند فرمایا۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ سب شفقت و عنایت میرے حال پر میرے بزرگ دوست حضرت صدر انجمن صاحب ہی کی ہے۔ ان بزرگ نے ہر جگہ اور ہر مجلس میں میرا کافی ساتھ دے کر مجھے اپنی اولوالعزمی سے نیک نام بنانے میں اپنا وقت صرف کر کے ہمیشہ ہمیشہ مجھے شکر گذاری کا موقعہ دیا ہے۔ لہٰذا آج بھی اس دربار میں یاد آوری اور عزت افزائی پر نہایت خلوص سے اپنے بزرگ دوست حضرت علم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کے سبب آج بہت سے اپنے بھائیوں بزرگوں دوستوں کو دیکھا ہے اور اُن سے تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا ہے۔ آخر میں بڑی مسرت سے آپ لوگوں کو مژدہ دیتا ہوں کہ کل امام المتصوفین برہان المتکلمین امام غزالی کی زبردست تقریر ہوگی۔ اب آج کا دربار اس دعا پر برخاست ہوتا ہے۔

قادر و مختار مالک الملک خدا تجھے اپنی صفات کا واسطہ ہم کو اپنا بندہ بنا کر حقِ عبودیت ہم سے کما حقہٗ ادا کرا دے۔ برحق نبی مطلق حضرت رسالتمآب روحی لہ الفدا کا طفیل ہمیں ہدایت و فلاح کے سبزہ زاروں کی بہاریں دکھا۔ صحابہ کرام و اہلبیت عظام کے خلوص و ایمان کا صدقہ ہمکو مومن کامل بنا۔ شرک کفر سے بچا۔ اس راستہ پر لگا جس پہ چلنے والے میدان تقرب کے عرفان منزل تک پہنچ گئے۔ علماء کی علمی خدمت کے لئے ہمیں سچا خادم شریعت کر دے۔ آمین

آمین اللّٰھم آمین۔

دربار کا چوتھا دن اور اُس کی کیفیت

خوشامد قبول کرے منتیں ہی جا شکستہ حال پر رحم کر۔ مردہ طبیعت کو بادِ مسیحائی سے جلادے۔ چل اے پیک خیال۔ چل بڑھ اور بڑھ کر قدم ڈال۔ اُف ظالم سستی نہ کر کاہلی سے کام نہ لے۔ تغافل کو دور گزر کر۔ تجاہل چھوڑ دے۔ دُکھ کے مارے کی جان پر بنی ہے ہنسی دل لگی کا وقت نہیں کج ادائی کی نگاوٹوں سے پریشاں نہ کر۔ بے مہری کی نارواؤں کی کُند چھری سے ذبح نہ کر۔ رکھائی کا یہ موقعہ نہیں۔ کسی کا کام کردے بھلا ہوگا۔ یہ وقت تو نکل ہی جائے گا۔ مگر بات رہ جائیگی ذرا جلدی سے ہمت کرکے دو قدم بڑھا دے۔ لپک کر جائیو اور اُلٹے پاؤں پلٹ کر آئیو۔ دیکھ دیکھ وہ سورج جھک آیا۔ اللہ خیر یہ کرہ نور کدھر سے کدھر آگیا۔ وہ پہر ڈھل گئی۔ اچھا اے میرے پیک خیال ذرا جانا تو سہی۔ تجھے میرے شوق کی قسم ذرا جلد جا اور بڑھ کر دربار علم کی خبر لا۔ سب سامان زینت اور جلسہ کا قرینہ دربار کی سج دھج بھانپ کر تاک کر خوب دیکھ بھال کر سچی سچی خبر لانا۔ "خدا حافظ" جا اور سب حال دیکھ کر آ۔ اللہ مددگار و ناصر "بسلامت روی و باز آئی" ظہر کا آخری وقت ہے اور شام کے ابتدائی حصہ کا آغاز۔ دھوپ پر قہر شمسی کچھ اس بلا کا طاری ہے۔ کہ تھر تھر کانپ رہی ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ بدحواسی کے عالم میں لمبے لمبے قدم ڈالے۔ غیر معمولی رفتار سے بڑھ رہی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے آخری نشان اور سسکتی دم توڑتی یادگاریں چھوڑتی جاتی ہے جو کبھی تیسرے پہر اور کبھی وقت عصر اور کبھی آخری شام کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

عصر ہو چکی ہے۔ مگر کچھ کچھ اُچٹتے نشانِ مُصوب کے باقی ہیں جو شام کی مست
ہوا کے جھونکوں کے ہاتھوں جھکولے کھاتے پھرتے ہیں اور سسکیاں لے لے
کر آخری نظارۂ عالم کر رہے ہیں۔ کچھ دیر یہی منظر رہا۔ پھر آخری بہار ڈھلتا جوبن بنکر
غائب ہو گیا۔ جس کو تاریکی کے پردۂ شرم رکھنے والے دامن نے اپنی پناہ میں لے لیا۔
بزمِ عالم میں انقلاب اور نظامِ ہستی میں دوسرے دور کا آغاز ہوا۔ عالمِ علوی و سفلی اپنے
چراغوں قندیلوں سے جگمگا اُٹھے۔ رات کے سیاہ آنچل پہ یہ نورانی چمکتا زردوزی
کام بڑا نظر فریب بنگیا۔" ان تغیرات نے خرمنِ فکر و فنکر پر ایک بجلی گرادی۔ بنی ہوئی توجہ
اور منتشر خیالات کچھ بھولا ہوا یاد دلانے لگے۔ خیالات کا ہجوم ہو گیا۔ چاروں طرف سے
نگاہوں کو سمیٹ سمٹا کر ایک سیدھی سڑک بنا دیا۔ جس پر حضرت یک خیال کی آمد کا
انتظار ہونے لگا۔ اضطراب بڑھا۔ بھینچی گھبرائی ہوئی اُٹھی اور گلے کا ہار بن گئی۔
دل کو غیر معمولی اضطرار نے آگھیرا۔ مگر خیر گزری فوراً یک خیال کی آمد معلوم ہوئی۔
وہی چال ہے۔ اُنہیں کی طرزِ خرام۔ ہر قدم پر سو سو غمزے ہر ہر گام پر ہزار ناز تبسم زیرِ لب
اندازِ مستانہ آئے اور کامیاب آئے۔ مسرور و شاداں آئے "فرمایئے کیا رنگ ہے کیا
نقشہ ہے۔ کتنی دیر ہے۔ حاضری تو ابھی شروع نہیں ہوئی۔ نہیں حضرت ابھی توقف
ہے۔ مگر ہاں یہ خبر گرم ہے کہ آج دربار پہلے سے بھر جائے گا۔ مجمع کے روز بروز بڑھتے
جانے کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ بہرحال چلنا ہے تو چلیئے جو پوچھنا ہے وہ آنکھوں
سے دیکھ لیجئے۔ چلیئے بسم اللہ یا اللہ خیر وہ دیکھیئے سامنے غول کے غول چلے جاتے ہیں
ع کاندھے سے کاندھا چھلا جاتا ہے توبہ توبہ۔ ایک دو قدم اور دیکھیو دیکھیو وہ دربارِ محل
کا شاندار دروازہ ہے انتظار کی ناگوار تکلیف اور ناقابلِ برداشت کلفت کا خاتمہ ہوا۔
ہمارے ادراکِ خیالات کی جولانگاہ یا قوتِ متخیلہ کی طلسمی سرزمین دربارِ علم اور اس
کے پُرلطف نظارے پیشِ نگاہ ہیں۔ سب جانے پہچانے دیکھے بھالے اراکینِ بار

حسب مراتب رونق افروز ہیں۔ چاروں طرف حیرت آمیز از خود رفتگی اور اشتیاق انگیز وابستگی کا سناٹا چھایا ہوا ہے جس کو حضرتِ علم کی اس آواز نے توڑا۔

حاضرین جلسہ "آج چوتھا دربار حجتہ الاسلام ابو محمد بن محمد غزالی کی زیر سرپرستی تقریر سے شروع ہوگا۔ اور انہیں کی تقریر دعائیہ پر برخاست ہوگا۔ آپ حضرات نے جس غور و شوق سے تین دن دربار علم کے مقررین فضلا کی تقریریں سنی ہیں اور جس دلچسپی اور محبت سے ان حضرات کے مفید بیانات سے حصہ لیا ہے۔ اس کا میں گواہ ہوں اور آج بھی وہی ذوق شوق اور وہی رویہ دیکھنا چاہتا ہوں فجزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزا

حضرت علم ایک بزرگ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا آیئے امام حجتہ الاسلام تشریف لائیے۔ اس کے بعد حضرت علم بیٹھ گئے امام غزالی اٹھے۔ اپنے بزرگ بھائیوں سے مصافحہ کیا۔ حاضرین دربار نے زور کے والے نعرہائے مسرت سے خیر مقدم کیا۔ مراسم تعظیم ادا کئے گئے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا۔

تقریر امام الصوفیہ حجتہ الاسلام غزالی

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ!

صاحبو! میں نے جو ابھی ابھی ایک مختصر سا جملہ پڑھا۔ یہ اس ہادی برحق کا ارشاد ہے جو خدا کی طرف سے اصلاح و فلاح عالم کے لئے بھیجا گیا۔ یہ اس زبردست علم والے کا سچا اور بالکل صحیح ارشاد ہے جو خدائی بھر کا معلم بنایا گیا ہے۔ یہ اس نبی عربی امی کا کلام ہے جس نے مدرسہ قدس میں کمال تقدس و حیروت کی مسند پر بیٹھ کر ادبنی ربی فاحسن تادیبی کا سبق پڑھکر عالم کے سارے بڑے بڑے لکھوں دماغ والوں عقل والوں نکتہ رس باریک بینوں دقیقہ شناسوں فی البدیہ نظم و نثر کا کمال تصنیف و تالیف دکھانے والوں کو غرضیکہ دنیا جہان کے سارے

باکمالوں کو اپنے سامنے عاجز و مبہوت بنا دیا۔ اور میدان عظمت و کمال میں اپنی ظاہری باطنی سرداری کا جھنڈا لگا دیا۔ اپنی سطوت سے عالم کو حلقہ بگوش بنا کر اپنی بے مثلی اور اپنے بے مثال حسن اور اپنی بے نظیر طاقت و قوت کا اظہار فرما کر آپ کو دنیا کا سب سے بڑا شخص ثابت کر دیا۔ یہ نہیں کہ اپنی جان سے کہدیا کہ تم مجھے ایسا ویسا سمجھو۔ بلکہ اپنی چال ڈھال تعلیم ارشاد و فیض ہدایت سے اپنے عدل عفو سے اپنے کرم و رحمت سے دوست تو دوست دشمن کو بھی منوا دیا کہ سچا مصلح اور خیر طلب اور خیر خواہ رہبر و راہنما یہی ہے۔ برسوں کے بگڑے ہوئے۔ صدیوں کے آوارہ۔ زمانہ کے برباد۔ عالم کے نکمے۔ جس کی اعجاز بھری آواز کی طرف لبیک کہہ کر دوڑے جس کے قواعد و آئین اصلاح و فلاح پر عمل کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ جس کے کہتے ہی جان سے زیادہ عزیز قدیمی رسوم و مذہب کو چھوڑ بیٹھے جس کے سامنے باوجود کمال کا منبع و معدن ہونے کے خس مہرہ سے زیادہ ذلیل بن گئے۔ اور ناک رگڑنے لگے۔ ایسے دماغ دار ایسے باکمال کی زبان سے جو مضمون نکلیگا وہ آپ لوگ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ صداقت کے لئے کس درجہ کا معیار ہوگا اور حقیقت میں ایک بڑی زبردست طاقت اور تیز اثر سے ترقی پذیرانہ انداز سے میدان بہبودی و نیک نامی و نیکی کی گہری اور کارآمد سیر کرا کر تمام منازل سختی کو نقش برآب کر دے گا۔ اس کے بنائے ہوئے اصول اصلاح جس وقت علمیہ و عملیہ کے ساتھ اپنے زور دار ہونے کے مدعی ہوں گے۔ وہ آپ اپنی مثل ہو سکیں گے۔ اس کے سچے نصیحت آمیز مشورے اور حیرت فزا فرمان و احکام اپنی انمٹ ادا اور دل ربا ناز سے دنیا جہان کے دلوں کو موہ لیں گے۔ اس کے قوانین اصلاح و معاشرت و تمدن کی وضع میں جو بھید تسخیر خلق اور نفاست و سلاست کا پوشیدہ ہوگا۔ وہ

ہر وقت و ہر زمانہ و ہر شخص کے لئے کار آمد ثابت ہو کر اپنے حسن معنی و مفہوم کو ہمیشہ ہمیشہ عزیز الوجود بنائے رہے گا اور نیک نامیوں کا طرۂ دستار بنکر کمال عظمت کی شان نمایاں رکھیگا۔ اُن مسائل پر روشنی ڈالنے کے لئے اور اُنکی توضیح و تشریح کے واسطے دوسری طرف خیال پلٹانے اور کسی جدید عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام امور کے قطعی فیصلہ اور ہمیشہ کر تمام دعاوی کی تصدیق و شہادت کو صرف اسی ایک جملہ کی تفسیر و توضیح کافی ہے۔ جس کو میں نے عنوان تقریر بنالیا ہے اس میں خود برگزیدۂ خلق ہادیٔ عالم خاتم جملہ مصلحین سید الانبیا سند المرسلین اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ارفع و اعلیٰ شان اور اپنی تدبیر اصلاح و فلاح و کار ہدایت و راہ نمائی و قوت علمی و عملی کا جامہ دکھا کر مخلوق کے واسطے بڑے کار آمد اصول و قوانین و زبردست تعلیم مفید معاشرت و تمدن و تہذیب اخلاق و دورستی مدارج عامہ اور احکام متعلق بندگی و عبودیت کا ایسا سانچہ اور وہ نقشہ تیار کیا ہے۔ جو ہر وقت و ہر حال میں ہر ملک و ہر شہر و ہر موسم و ہر مزاج کی رعایت سے موافق و مناسب ہے۔ اور ہر دم نفع ہی نفع پہنچانے والا ہے۔ گویا یہ معجون ہدایت کا ایک وہ معتدل المزاج نسخہ ہے۔ جس کی ترکیب اجزا و ترتیب مزاج میں اصلاح عام کے خاص خاص کیفیات کا عنصر لے کر تمام منافع کا جلب اور مضرتوں کا سلب پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔ تجربہ نے ہزاروں بار پکار پکار کر اس کی خلامی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی عمومیت منافع کی تصدیق میں اپنی وجودی سند پیش کی ہے۔

”معزز حاضرین دربار“ اس حدیث میں ایک سچا مدعی نبوت دعویٰ کرتا ہے۔ کہ میں تم لوگوں کی عادت پلٹنے اور نیکی و مکارم اخلاق و محاسن عادات کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس دعویٰ کے چند قابل غور پہلو ہیں

جن پر نظر کرنے سے کار آمد اور نتیجہ خیز باعث تصدیق و اطمینان امر ظاہر ہو گا۔

امر اول دیکھئے جب کوئی شخص ہدایت و فلاح و اصلاح کا مدعی بنکر اٹھتا ہے تو عقل سلیم قبل اسکے کہ اس کے بتائے ہوئے قوانین و قواعد پر گہری نظر ڈالے اور انکی تحقیق و تنقید کرے یہ مقدم سمجھتی ہے کہ پہلے اس شخص کے حال پر ایک غور کی نگاہ سے جستہ جستہ جائزہ لے کر فطرتی دیکھ بھال سے اپنا اطمینان کر لے اور وسائل و اسباب تسلی و تسلیم میں غیر معمولی قوتوں کی جستجو کر کے اس مدعی کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کو دیکھ لے۔ جب اس جائزہ سے فراغت ہو جائے تو پھر اس مدعی کی آواز اور اس کے جوش کا وزن اور اس کی غرض و غایت کی پڑتال کی جائے۔ تاوقتیکہ خلوص بھرے سینہ اور چوٹ کھائے ہوئے دل کی آواز صداقت کے گلے سے مانوس کرنے والے لہجہ میں نہ نکلے اصلاح و فلاح کا دعویٰ غیر قابل قبول۔ جب تک اس آواز و جوش کا بہت زائد وزن نہ ہو۔ اس وقت تک اس کے صحیح اور دیرپا اور مستقل ہونے کی امید نہیں۔ یہاں اس امر کی توضیح کر دینی بھی ضروری ہے کہ مصلح اور ہادی کے جوش اصلاح کی زیادتی وزن یہی ہے کہ اس کے افعال و اقوال سے صداقت کی یکساں حالت کا اظہار رہے۔ ہر رنج و مصیبت اور تکلیف و کلفت پر ہر ممکن و فراخ عیش و مسرت پر وہی دھن لگی ہے۔ اور کسی طرح کسی اثر سے متاثر ہو کر وہ اپنے خیالات پلٹنے کے لئے اپنا رویہ بدلنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اگرچہ لاکھ بار اس کی زندگی پر سختیوں مصیبتوں کے ظالم ہاتھوں کا اثر پہنچے۔ اس کو نہ کسی ظالم کی ملامت کا صدمہ ہو نہ کسی قوی دشمن کا خوف۔ اس کی آواز ہر شخص کے سامنے ایک ہو اور اس کے خیالات ہر زمانہ میں یکساں ہوں۔

امر دوم یہ دیکھنا بھی ضروری ہے۔ کہ ان تمام امور سے اس مدعی کا مقصد کیا ہے اور کونسی خواہش اس کو برانگیختہ کئے ہوئے ہے۔ محض شہرت طلبی اور

حصول دولت یا نیک نامی کی آرزو ہے یا اور کوئی اور خیال جس کے پردہ میں نفسانی قوتیں نئے نئے رنگ بدل کر اپنی خیالی تمناؤں کے بہار پر آنے کی خوشی میں رنگ رلیاں منا رہی ہیں۔ اور ان ظاہر فریب خیالات کا اظہار اور یہ زبانی دعوے محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔

امر سوم

اسی دیکھ بھال میں ایک آخری اور باعتبار اہمیت یہ اولی بات بھی قابل غور ہے کہ اتنا بڑا زبردست دعویٰ کرنیوالا اپنے معاملات کو کس قوت اور بل پر چلا رہا ہے اور کونسا بھروسہ اس کو مدد پہنچا رہا ہے آیا کسی ظاہری شاہنشاہی کا اس کو آسرا ہے یا ذاتی قوت اور خاندانی عظمت و کثرت اس کو ابھارے ہوئے ہے۔ یا کوئی اور ظاہری مدد اس کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی یا وہ ان تمام امور سے ظاہری مددوں سے دنیاوی بھروسوں سے الگ تھلگ رہے اور ان سب کو نکما اور بودا سمجھے ہوئے ہے بلکہ کوئی اور غیر ظاہری اور غیر محسوس قوت اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ہے اور وہی بڑھ بڑھ کر اس کے ارادوں کی چلتی گاڑی کو بڑھائے چلی جاتی ہے جس کے سبب غیر معمولی اور خارج از طاقت بشری امور مشاہدہ کرا کے اپنی فوقیت اور اپنی عظمت و صداقت کو عالم آشکار کر رہا ہے اور آئندہ کے لئے اپنے آپ کو مستقل اور باہمت رہنے کا عملی اطمینانی ثبوت دے رہا ہے۔

نتیجہ امور ثلاثہ

معزز سامعین۔ یہ دیکھ بھال یہ غور و تنقید یہ اصولی جانچ ہے اس کے سبب مدعی اصلاح کے ہر ہر قول و فعل کی تحقیق و تصدیق ہو جاتی ہے اور پھر بدگمانی و شک اور کمزوری یقین کا موقعہ جاتا رہتا ہے اور دل حال آئینہ ہو کر صحیح اور غلط میں امتیازی شکل دکھاتا ہے اور اس تحقیق کے بعد اس ہادی و مدعی اصلاح سے جبکہ وہ ان تحقیقوں اور تنقیدوں کے میدانوں میں صداقت اور راستی کا جھنڈا بلند کر دیتا ہے۔ کچھ کہنے سننے کا حق ہی نہیں رہتا۔ بلکہ پھر تو فطرت بخود

اندازے اُس کے سامنے سر جھکانے پر لگا لاتی ہے۔

اُن امور کو پیش نظر رکھ کر ہادئ عالم ہدایت مجسم فخر آدم نبی معظم خاتم النبیین حضور مظہر تجلیات رب اکرم صلعم کے روشن اور بے حد روشن حالات دیکھ کر تو اتر سے سُنکر مخالفین کی شہادت سے مان کر آپ کے اس شاندار فرمان پر نظر ڈالئے فرماتے ہیں بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

"حاضرین جلسہ" حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس دعوے کو جانچنے کی اور اُس کا جائزہ لینے کی ضرورت ایسی ہی ہے جیسے روشن دن میں آفتاب کے وجود پر دلائل قائم کر کے اُس کے اثبات وجود میں ساعی ہونا۔ میدان تاریخ عالم کے سیاح پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ دعویٰ اپنی صداقت کے ثبوت میں علمی مجلسوں مذہبی انجمنوں ملکی مدبرین کی کمیٹیوں میں اپنی آواز بلند کر کے اپنی جانچ کرا چکا ہے۔ وہ کونسی مذہبی مجلس شوریٰ ہے جس میں اُس کے علمی ارکین نے خصوصیت سے بحث اُٹھا کر اس کے علمی عملی پہلو پر تنقید و تحقیق کیساتھ زبردست بحثیں نہ کی ہوں اور اُس کو سچا اور بالکل سچا تسلیم نہ کر لیا ہو۔

ان مجلسوں ان میدانوں سے آگے بڑھ کر یہ دعویٰ اپنی صداقت کا ثبوت شجاعت کے چھوٹے بڑے میدانوں میں جنگی معرکوں میں تلواروں کی باڑھ پر تیروں کی نوک پر نیزوں کے پہلوں پر خنجروں کے سینوں پر چڑھ کر شاہنشاہیوں کی قسمتوں کو اُلٹ کر دے چکا ہے اور دنیا جہان کی کایا پلٹ کر عالم میں نئی روح پھونک کر خدائی کو اپنی ایک اکیلی قوت سے مغلوب کر کے عالم آشکار کر چکا ہے دیکھنے والے دیکھ چکے ہیں۔ اور سننے والے سنتے چلے آ رہے ہیں قیامت تک سنے گی اور اس کا آنا برحق ہے۔ ایک دن وہ ہوگا کہ کچھ نہ ہوگا۔ مگر اُس دن بھی اسی ہادی کا کہا ہوگا۔ جو کہہ دیا وہ ہو کر رہے گا۔ اس کے بعد کے دیکھنے والے پہلے سے

حلقہ بگوش بنے ہوئے آمنا صدقنا کہنے والے دیکھیں گے اور کہیں گے دیکھو دیکھو
اور کہو کہو کہ وہی ہوا جو کہنے والا کہہ چکا ہے۔ ہٹ دھرم ضدی منکر اُس دن
یالیتنی کنت مصدقا کہہ کر انکار کے پردہ میں اقراری بن جائے گا۔ غرضکہ
ہر عالم اپنی نیرنگی سے اُس سچے ہادی کی تصدیق کو رنگ برنگ کے رنگ
بھرنے کو آمادہ ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

"اہل دربار" اب میں تمام مقدمات و تمہید کو ختم کر کے عنوان کی تشریح
اور توضیح کرتا ہوں۔ غور فرمایئے۔ ہادی برحق حضور رسول مقبول نے دنیا میں
تشریف لا کر سب سے پہلے جس کام کو ہاتھ لگایا وہ اصلاح دارین کا اہم مسئلہ
تھا جس سے بیگانگت کا سمی اثر تمام نسلوں کا کھوج کھوئے بیٹھا تھا۔ اور
جس کی اصلاح کی ضرورت پر ہر صبح و شام چمکتا سورج اور دمکتا چاند فطرت کو آگاہ و
متنبہ کرتا رہتا تھا۔ مگر برا ہو غفلت شعاری کا جس نے اُس وقت تک آنکھ نہ کھولنے
دی۔ جب تک غیرت الٰہی کو ترس نہ آیا حرکت ہوئی بارے یہ حرکت بھی مبارک تھی اور
یہ قہر بھی خوش بخت بنانیوالا تھا۔ جس کو کسی نے اپنی رحمت کی بھولی بھالی پھلتی پھولتی کھیتیوں
کا محافظ بنا کر عالم کو مطمئن کر دیا۔ اور خود نرم نرم ہاتھوں پیاری پیاری زبان کے
دلربا لہجوں اور پیارے انداز سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ دماغ بگڑ چکا
تھا۔ عقل دیوانگی کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ دوست کو دشمن ناصح کو عدو سمجھ
لینا کتنی بڑی بات تھی۔ مگر صدقہ شان اصلاح کے اور قربان طرز ہدایت کے کہ
بھاگنے والوں کو کچھ اس انداز سے کھینچا کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور کھنچے ہوئے
چلے آئے۔ گمراہوں کو اس انداز سے سیدھی راہ دکھائی کہ سارے پیچ و خم
زلف گرہ گیر کے ایک لنگر کی نذر ہو گئے۔ دیوانوں کو ایسا کچھ عاقل بنایا کہ
عقل کو اُن کی نسبت سے ناز ہو گیا۔ غرضکہ وہ سب کچھ کر دکھایا جس کے لئے

قدرت کی اصلی نگاہ انتخاب اُن کو منتخب کر چکی تھی۔ ڈھنگ وہ ڈالا کہ ہر ایک اپنے اپنے ظرف کے موافق کچھ لے کر ہی اُٹھا۔ تعلیم وہ دی جس نے پہلے ہی سے یقین دلادیا کہ اب دین بھی اپنا اور دنیا بھی اپنی۔

ہادیٔ برحق کی پہلی تعلیم

سچے مصلح اور ہادیٔ برحق نے سب سے پہلے یہ تعلیم دی کہ دنیا والوں اپنے ہم جنسوں یا کچھ اپنے سے گھٹتی بڑھتی طاقت والوں عالم امکان اور مادی ہستی کے چھوٹے بڑے نمونوں جسمی پتلوں حادث و مخلوق وجودوں کے سامنے سر بندگی جھکانے سے قطعاً روکا اور نہایت سختی سے اس خلاف فطرت شرافت انسانی امر سے علیحدگی کا سبق پڑھا کر بتایا کہ یہ رکیک امر مکارم اخلاق اور محاسن عادات کی حد سے خارج ہے۔ اور اپنے بُرے اثر اور قبیح آثار مرتب کرنے کی فکر میں ہے جس کے سبب ذلت کی پستی میں پڑا رہنا پڑے گا۔ یہ مجھا فیصلہ اور حکیمانہ ارشاد محبت و خلوص و ہمدردی کے اُس لبھانے والے انداز سے کہا گیا۔ کہ ضرورت اور فکر سلیم لبیک کہہ کر اُس ہادیٔ برحق سے دست بوس ہو کر حلقہ بگوش بن گئی۔ پھر اُس پر پُرزور علمی دلائل صداقت کے جلوے چمکاتے ظاہر ہوئے۔ اب کیا تھا۔ بندگی اور خدائی کے مفہوم کا راستہ نظر آنے لگا عالم روح کے لئے حادث و قدیم کے رابطہ میں ایک طرف عجز دوسری طرف کمال قدرت بتانے کی ضرورت تھی۔ وہ ہی اصلی روحانی مکارم اخلاق تھے۔ جن کی اصلی تعلیم ایک مختصر جملہ سے شروع ہوئی جس کے بس دو جزو تھے پہلا لا الٰہ الا اللہ دوسرا محمد رسول اللہ پہلے جزو میں خالق و مخلوق کے درمیان جو علاقہ بندگی ہے اُس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور شرک میں جو ایک قبیح کجی تھی۔ اس کو اقرار الوہیت کے حسن خلق سے سنوار کر مالک مملوک کے صحیح علاقہ کو مستحکم کر دیا گیا ہے

اُس کے بعد اقرار رسالت اور اُس کی تسلیم و تصدیق پر توجہ دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ ذات جو تمہیں شرک جیسے مذموم امر سے بچانے والی ہے ذات و صفات باری کے متعلق تمہیں تمہارے ناقص و ناروا خیالات سے باز رکھ کر عروسِ حقیقت کا جلوہ دکھانے والی ہے اور پھر سے بچا کر منزل مقصود تک لے جانے والی ہے۔ اُس کا نہ ماننا بھی اور اُس کے شکریہ کی طرف متوجہ نہ ہونا بھی کمال بد خلقی ہے۔ لہٰذا اس قبیح امر کو بھی دفع کرنا ضرور ہے جو آئندہ تحصیل کمالات و مکارم اخلاق میں سدِ راہ ہو کر انکار رسالت کے جرم میں حرماں نصیبی کی پستی میں پہنچا دے۔

صاحبو! اس حکمت پر نظر ڈالیے۔ کہ ہماری متفرق توجہ اور مشوش خیال کو حدوث و امکان اور اُس کے فانی و غیر قیام پذیر آثار و نشانات سے جدا کرنے کی جو حاجت ہے اور اُس کی تہ میں جو سچی خدا شناسی اور حقیقی حسن خلق کا جلوہ ہے اُس کو خدا بھلا کرے ہمارے صوفیہ کرام کا وہ اپنے مذاق طبع کے رنگین سانچہ میں ڈھال کر یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ پہلی منزل اور انتہائے کمال کا دروازہ یہ ہے کہ اپنی توجہ ظاہری و باطنی کو چار جانب سے جدا کر کے مصنوعات کو نظر انداز کرے۔ صانع کی طرف بڑھے اثر کو چھوڑ کر موثر کی طرف ہو جائے اور اس عالم مصنوعات سے کلیتہً دل اُچاٹ کرلے اُس وقت اُس پر کمال حسن خلق کا جوہر تجلیاں چمکاتا ہوا ظاہر ہو گا اور نیک نام اور روشن دل والا بنا جائے گا۔ مکارم اخلاق کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ میٹھی میٹھی دو چار باتیں کرلیں۔ نہیں نہیں بلکہ دل کی روشنی اور ضمیر کی صفائی کا نام مکارم اخلاق و محاسن عادات ہے۔

"بزرگ حضرات" جو لوگ اس تعلیم کے اس مفہوم کے منکر رہے آپ

حضرات بخوبی واقف ہیں کہ وہ کس درجہ بعید از عقل امور کی طرف جا کر تباہ ہو گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے دارین کی دولت مکارم اخلاق سے محرومی اُن کے دامن سے بندھ گئی۔ جنہوں نے اس مقدس حکمت بھرے ارشاد کو اپنا دستور العمل نہ بنایا۔ دیکھیئے اُن میں کیسے کیسے شرمناک امور رائج ہو گئے۔ کسی کو عالم مادیات کی خدائی کا پٹہ گردن میں ڈالنا پڑا اور یوں انتہائی کمزوری کے سبب عقلاً نقلاً اپنی ذلت کا سامان کر لیا۔ کچھ ذرا آگے بڑھے۔ ان کی ہمت کے شہباز کی بلند پروازی ملائکہ تک پہنچی۔ اور وہیں خیرہ چشمی کا شکار ہو کر رہ گئے۔ کوئی اجرام علویہ نورانیہ کی نظر فریبیوں ہی سے گھائل ہو کر گر پڑے اور انہیں کو معیار صداقت سمجھ کر پاؤں توڑ کر تھک کر بیٹھ گئے۔ غرضکہ بیکار اور بے ضابطہ اچھل کود کرنے والے فضول اور غیر موضوع طور پر اظہار اعتقاد کرنے والے پست ہمت ضعیف الخیال اپنے پاس کوئی جامع دستور العمل نہ ہونے کے سبب اور صاحب حکم ہادی تک رسائی نہ ہو سکنے کے باعث بالکل اخلاقی روحانی مذہبی ترقی نہ کر سکے اور قطعاً حسن خلق کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ لہٰذا وہی وحشیانہ خصلتیں ان میں اثر کر گئیں۔ جو مادہ پرستوں کو بد خلقی کا بھونڈا نمونہ بنا دیا کرتی ہیں۔ ان کی روک تھام کیونکر ہو سکتی تھی اور ان کی اصلاح کا کونسا عنوان باقی تھا۔ جبکہ چمکتے سورج کے سچے ہدایت آمیز جلوے ان کو ان کے خیال میں باعث تاریکی تھے۔ ہادیٔ برحق اور مصلح مطلق نے تو اپنے زمانہ میں کسی کا استثنار کیا نہیں۔ بلکہ وہ ہر ملک و ہر شہر و ہر قریہ کے ہر ذات والے کو ہر طبقہ کے ہر مزاج کے ہر قوم کے مجموعہ کو فرد فرد کو اپنی ستھری نکھری تعلیم محاسن عادات و مکارم اخلاق سکھانے کو موجود و مستعد تھا۔ اگرچہ اس پر ظاہری تنگی سختی کی جائے مگر واللہ وہ کبھی دل تنگ ہو کر سختی کر نیوالا

نہ تھا بلکہ تنگ کرنیوالوں مخالفوں دشمنوں کو بھی سینہ سے لگا کر عمدہ عمدہ سبق پڑھانے کو قدم بڑھاتا رہتا تھا۔ بیشک آج اسی کا اثر نظر آرہا ہے کہ دنیا روحانی محاسن اخلاق کی روشنی میں عمدہ زندگی کے بہتر نتائج دیکھ رہی ہے واللہ اسی ہادی کی جانفشانیوں اور ہمہ گیر رحمتوں کا سبب ہے کہ کفر پر دراز شرک پرست آبادیاں اسلام آباد اور محمد نگری بنتی جاتی ہیں۔ جن عالیشان درباروں میں اس مصلح کے اثر ہدایت مٹانے کے مشورے ہوتے تھے الحمد للہ کہ وہیں سے تکبیر کی آواز کیساتھ اس ہادی و مصلح کے بے قراروں کا نعرۂ عاشقانہ سننے میں آتا ہے۔ جو قومیں اس تہذیب و خلق کی مجسم تصویر کے سایہ سے بھڑکتی تھیں۔ آج وہ ہی اس پر جان نثار کرنے کو آمادہ ہیں۔ وہ جاہل و وحشی جو اس برگزیدۂ خلق کی حکمت و ہدایت تہذیب و شائستگی سے پُر تقریر سننا پسند نہ کرتے تھے۔ اس کے ارشاد کو اس کے اقوال کو مزہ لے لے کر وظیفہ بناتے ہیں۔

الحق کہ اُس باکمال نے خدا پرستی کے مفہوم کو کھول کر سمجھا دیا اور بتا دیا۔ کہ حقیقی روحانی حسن خلق حاصل کرنا ہے۔ تو اپنے اور اپنے مالک و خالق خدا کے تعلقات کو صحیح طور پر مستحکم کرو۔

ہادی برحق کی تعلیم ثانی

اس اصلاح کے بعد اور اس اصولی توحیدی محاسن اخلاق کی تعلیم کی تکمیل کر کے بتایا گیا۔ کہ اب آپس کا معاملہ ٹھیک کرنے اور دنیاوی لفریبیوں جادو ادائیوں میں بھی ایک امتیازی اور عمدہ اثر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کے سبب ہمیشہ ممتاز و مشخص ہو کر دنیا میں بھی ناموری رہو اور دنیا کے وہ معاملات جو تمہاری ذوات سے تعلق رکھتے ہیں۔ کج خلقی اور نقصان کے ہاتھوں غارت نہ

ہوں۔ وہ رابطے جن کی اتحادی صورت بہت کچھ مبارک ہوتی ہے۔ محاسن عادات کے زیور سے آراستہ ہو جائیں اور معاشرت و تمدن کی اعلیٰ شاخیں سرسبز ہیں یہی تعلیم حقوق العباد کی بنیاد ٹھہری اور یہیں سے انسانی ہستی کو دنیا میں با لطف بنانے کا مقدمہ شروع ہوا ہو

اس مسئلہ میں ہمارے بزرگ ہادی نے جیسی وسیع اور عالم کو گرویدہ بنانے والی تعلیم دی۔ وہ اپنے اچھوتے پن سے اور نفاست مضامین کے لحاظ سے کسی معجز بیاں کی دلوں کو مسخر کرنے والی پیاری پیاری گفتگو بن گئے۔ جس کی طرف دلوں کا کھنچنا ارادوں کا بے اختیار بڑھنا خیالوں کا اُدھر مائل ہونا طبیعتوں کی گرویدگی گویا مقامات عالم ارواح کے نظاروں کی چلتی پھرتی تصویر کا حیرت میں ڈالنے والا تماشا ہو گیا۔

صاحبو! مکارم اخلاق کی تعلیم کے لئے ضرور تھا کہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ ہر نوعیت سے مستفیض ہو کر تکمیل پذیر ہو جائے۔ ہماری ضرورتوں کی کتاب میں ایک فصل ایک باب بلکہ ایک فقرہ وجملہ بھی ایسا نہیں۔ جس پہ ہمارے سچے مصلح نے مفصل بحث کر کے اچھے برے دونوں پہلو نہ بتا دیئے ہوں۔ اُس کرم و مہر والے ہادی کے وسیع فیض اور رحمت کے صدقہ جس نے امید وخیال میں نہ آنے والے لطف سے کام لے کر ہمیں اپنی تعلیم خیر کی دولت سے مالا مال کر کے مسند مکارم اخلاق پر بٹھا دیا۔ اُس کی شفقت گلے نثار کر گود میں پال کر دامن میں چھپا کر مہر کی نگاہوں سے ترحم کے اشاروں سے پیار کے تیوروں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس مبارک تعلیم کو دل میں اتار دیا اور ہماری تمام ضروریات کو ملحوظ رکھ کے سب کے متعلق جزئیتہ علیحدہ علیحدہ سبق پڑھا دیا۔ میں اس مقام پر تمام امور کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا

وعدہ تو نہیں کر سکتا وقت و فرصت کے ہاتھ بات ہے البتہ اُس مصلح عالم اور ہادی برحق کی ایک ایسی جامع و مفید تعلیم پر گفتگو کا خیال ہے جس میں معاشرت و تمدن کے علمی و اخلاقی اہم مسائل پر بھی کافی بحث ہوگی۔ اور ان امور کے مباحث کی اُلجھی ہوئی گتھیاں بھی سلجھ سکیں گی۔ اور اصلاح حال کی نیک خصلتیں ہماری عادتوں میں جلوہ آرا ہونے لگیں گی۔ ہادی برحق نے دنیا میں فراخ دلی و مسرت و عزت کے لیے جس خلق حسن کی تعلیم دی۔ اُس کو حضرت ابوہریرہ صحابی کو یوں سمجھایا۔ جو تجھ سے دشمنی کرے تو اُس سے صلۂ رحم کر اور جو تجھ پر ظلم کرے اُس کو معافی دے اور جو تجھے نہ دے محروم رکھے تو اُس پر بخشش و کرم کر۔ اسامہ بن شریک نے پوچھا سب سے بہتر جو ہر انسان کو دیا گیا ہے جواب میں فرمایا۔ حسن خلق۔

معزز حضرات! ہنستے منہ اور خندہ دہن اصحاب دوستوں و دشمنوں سب میں معزز سمجھے جاتے ہیں۔ نرمی و عفو صلۂ رحم و عطا یہی وہ چیزیں ہیں جن کے سبب تمام اہم معاملات میں ایک حرکت پیدا ہو کر مسرت خیز ہوا چلنے لگتی ہے۔ دیکھئے ظلم کے بدلے میں عفو قبیلہ کے قبیلہ اور قوم کی قوم کو کشت و خون کی وحشیانہ حرکت سے بچا لیتا ہے عطا و صلۂ رحم کے سبب دشمن جانی دوست بنکر رہتا ہے اور ان تمام امور سے ہماری زندگی کے تمام مسائل اطمینانی صورت سے اتمام پذیر ہو جاتے ہیں اور ہر مشکل و اہم معاملہ میں حسن خلق کی مدد سے نہایت مہذب فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جو ہمیں علم تہذیب الاخلاق کا عالم اور ہادی برحق کی تعلیم کا عامل ثابت کرتا ہے۔ پھر اس کے نتائج آپس میں محبت و مودت کے استحکام کی سلسلہ جنبانی کرتے رہتے ہیں۔ جن کا ہر انسان باعتبار جبلت و طبیعت و ضرورت خواہاں

خواستگار ہے۔ اس میں جو جو منافع اور جیسی جیسی آسانیاں ہیں۔ اور جس طور جب یہ انتظامی اصلاحی نحو میں پوشیدہ ہیں۔ ان کا وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہونا انکی عمدگی و خوبی کا دلیل و شاہد بنکر اُس کی قدردانی کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے۔ اگر آپس کے میل ملاپ اتحاد و یگانگت سے قطع نظر کر لی جائے۔ اور اُس کو کار زائد اور امر بیکار ٹھہرا دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ تمدن کا نظام ایک گھڑی بھر بھی نہ چل سکے اور معاشرت کا گھر قید خانہ بن جائے۔ کتاب سیاست سے اگر اصلاح و تالیف قلوب کا باب نکال دیا جائے۔ تو یقیناً آئین سلطنت و قوانین مملکت میں سوا گردن زدنی اور بیجا شمشیر رانی کے اور بیجا ظلم و جبر کے اور کچھ نہ رہے گا۔ دنیا کے متفرق انتظامات کا شیرازہ صرف اسی الفت و محبت کا اثر ہے۔ جو حسن خلق کا نتیجہ ہے ورنہ کارخانہ عالم میں ایک سخت بے ڈھنگی دور آئی درہمی کا آغاز ہوتا ہے۔ جو بغیر کامل تباہی اور پوری بربادی کے قدم روکتی نظر نہیں آتی۔ ان تمام علمی باریکیوں کو وضاحت و تشریح کیساتھ سمجھا کر ہمارے ہادی برحق نے اور ایک طریقہ سے بھی اپنی تعلیم کی تکمیل فرمائی اور وہ طریقہ "عملی" تھا یعنی حضور برحق نے مختلف قبیلوں کے صحابہ کا آپس میں بھائی چارا کر دیا۔ اور اس طرح عملی صورت کے ساتھ حسن خلق کے معتدبہ فائدہ اور عظیم الشان اثر کو ظاہر فرما کر اپنی تعلیم کے آفتاب نیم روز کو چمکا دیا۔ اب عملی و قولی دونوں تعلیموں پر نظر ڈالنے سے اور انکی غور سے سوچنے سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ دنیا میں زندگیوں کے باغ کے سرسبز و شاداب کرنے کے لیے اگر کوئی عمدہ پانی عمدہ غذا عمدہ مزاج عمدہ قوت نامیہ ہے تو آپس میں مروت اخوت کا لطیفہ اور ہمارے حضرات صوفیہ تو اس مقام پر بہت کچھ فرماتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا کی اُخوت و مروت کی [illegible] در عشقی امنگ بہت کچھ کام کر جاتی ہے۔ امکان و حدوث کے تاریک گھر میں

جب یہ برقی روشنی پھیلتی ہے۔ تو روحانیت کی آخری شعاعیں بھی سورۂ نور پڑھتی آ چمکتی ہیں۔ مگر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس قدر یہ علاقہ عمدہ اور کار آمد ہے اتنا ہی مشکل ہے۔ اخوت و محبت کا اظہار بہت آسان ہے زبان ہلانا کس کو نہیں آتا۔ لفظ بول دینا دعویٰ کر بیٹھنا کون نہیں جانتا مگر اس کا نباہنا اور اس کی لاج رکھ لینا اور اس کے مدارج و مراتب کا لحاظ کا رہے وارد ہے جس میں ہر شخص کا ظرف کام نہیں دیتا۔ بلکہ دل جگر والے ہمت و حوصلہ والے کی پرکھ ہوتی ہے تو یہ سودا چکتا ہے اور یہ معاملہ نبھتا ہے ؎

دعویٰ تری الفت کا کس طرح کوئی کر دے   پہلے یہ ہمیں سے ہو ہر کاہے و ہر مرد ے

صاحبو! جب اخوت کی گرہ باندھی جاتی ہے اور محبت کے سلسلہ کو شروع کیا جاتا ہے اور آپس میں ایک کا دوسرے سے پلہ بندھتا ہے۔ تو پھر ان دونوں اخوت و محبت قائم کرنے والوں کے درمیان ایک ایسا رابطہ قائم ہوتا ہے۔ جو یقیناً ایک ممتاز حسن اور خصوصی وابستگی کے ساتھ آپس میں دلوں کو مسرور کرنے میں اور ارادوں کو کامیاب بنانے میں ساعی رہتا ہے اور اسی کے ساتھ اپنی خصوصیت کی یادگاریں اور فشانیاں قائم کرتا جاتا ہے جو "حق" اور "زور" اور "دعویٰ" کے نام سے یاد کی جاتی ہیں جن کے چند مقام ہیں۔

حق اخوت کا پہلا مقام — اس کو یوں سمجھا گیا ہے اور اس فلسفیانہ انداز سے ماغوں میں اتارا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ مثل الاخوین کمثل الیدین یغسل احد اھما الاخریٰ یہاں تک اس مقام میں مراعات اخوت و محبت اتحادی عینک سے دیکھی جاتی ہے کہ باعتبار غایت و مقصد تغائر کا پتہ تک نہ رہے اور دونوں ایک ہو جائیں۔ ادھر کا اصرار اور ادھر کا انکار و تکلف قسم کھلانے کو بھی نہ رہے اور یہ ادھر ادھر کی قیدیں بھی کہیں گرفتار کر دی جائیں

آپ لوگ غور فرمائیے۔ کہ اس خط کا معاملات میں جو زبردست فلسفہ اور کارآمد حکمت ہے، وہ
کسی عنوان ہمیں پریشانی و افلاس کا خیال تک نہ آنے دیگی اور کسی نوعیت سے ہماری
مالی حالت ہمیں رنج وہ نہ ہوگی اور دوسروں کی نظر میں ذلیل نہ کریگی۔ یہی وہ تعلیم ہے
جو آجتک مسلمانوں کو بالعموم اور عربوں کو بالخصوص مہمان نواز دوست پرست بنائے ہوئے ہے

دوسرا مقام اعانت بالنفس ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک دوست اور بھائی آپس میں ایک دوسرے کی حاجتوں میں بذات خود کوشاں رہے
اُس کے کام میں برابر اپنے کام کی طرح سمند ہمت کو رواں رکھے اور کسی وقت اُس
کے اہم امور ضروریات کی انجام دہی اور ان میں سعی و ہمت سے اپنے بڑھتے ارادوں
کو نہ روکے اور کسی حال میں اُس کی حاجتوں سے غافل نہ ہو۔ بلکہ اپنی حاجتوں ضرورتوں
کی طرح بغیر کہے سُنے اُنکے پورا کرنے میں مصروف و مشغول رہے اور رابطہ اخوت و
محبت کا حق ادا کردے۔ اور اپنے بھائی کے نفس و جان کا احترام کرے۔ یہانتک
کہ جو اپنے بھائیوں پر تلوار اُٹھائے اس کو ملت سے خارج اور اُس کی سزا ابدی جہنم
کا عذاب بتایا گیا ہے۔

تیسرا مقام اعانت باللسان ہے۔ اس میں ابتدائی اصولی تعلیم یہ ہے کہ دوست اور بھائی کے پیٹھ پیچھے اُس کے عیوب کا اظہار نہ کرے۔ اور اُس
کے سامنے بھی بالکل ناواقف بیخبر بنا رہے اور اگر اُس کو کہیں عام اور غیر مہذب مجمع
میں دیکھے تو اُس سے وہاں آنے جانے کا تحقیق حال نہ کرے۔ بلکہ ایسے مجمعوں
کی برائیاں علی العموم بیان کرکے بلطائف الحیل وہاں سے اس کو حکمت عملی سے
علیحدہ کرلے اور جو بات کہے وہ ایسے نرم طور پر کہے کہ ضد نہ چڑھ جائے اور جو راز
آپس کے ہوں انکو کسی دوسرے پر ظاہر نہ کرے۔ اور اس دوست کے سامنے اس
کے اہل و عیال یا مربیان و بزرگان خاندان کی مذمت نہ کرے۔ اور نہ کبھی

اُس کو اُس کے خاندان سے بدگمانی کا موقع دے۔ بلکہ ہمیشہ اُس کو اُس کے
بزرگان قبیلہ کا مطیع و منقاد رہنے کی تعلیم دے۔ اور نہ کبھی کرید کرید اُس کے مشاغل
و اسرار سریہ طبعیہ کی تلاش کرے۔ نہ ایسے امور کا استفسار کرے۔ اس میں جو
حکمت ہے وہ سمجھنے والے خوب سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے ہمارے ہادی برحق کی
تعلیم ہے۔ لا تجسسوا ولا تقاطعوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا
اس ناطق حکم محکم اور اس حکمت بھرے ارشاد پر محققانہ نگاہیں طواف کرتی ہیں۔ اور
قربان ہو ہو کر اس کی صداقت و نفاست کی شہادت دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں فوائد تعامل
تمدن اور فطری حسن مکارم اخلاق کے لحاظ سے گویا یہ مقام اخوت ایک دردمند دلسوز
مصلح و سچے معاون کا مرتبہ رکھتا ہے۔

چوتھا مقام بکمر اعانت باللسان اس میں پہلی تعلیم زبان ہلانے اور لب
کھولنے کی دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ دوست کے محاسن
و عیوب کو سکوت کی نذر نہ کرو۔ بلکہ تھوڑی تھوڑی توجہ باتوں باتوں میں اُس کے
نقائص و عیوب کی طرف بھی کرتے رہو۔ تاکہ اُس کو ایسی حالت کے ساتھ جس میں نہ
بہت خجالت ہو نہ بہت غصہ اپنی حالت پر غور کرنے کا موقعہ ملے اور جو اُس کے
اقوال و افعال نیک ہوں۔ اُن پر زبان سے اظہار سرور و رضا ضرور ہے۔ اور
قبیح و مذموم امر پر کراہیت و ناپسندیدگی کا لحاظ کرنا بھی بے موقعہ نہیں کہا جا سکتا۔ لو
جب ایک دوست دوسرے دوست کو پکارے۔ تو عمدہ لہجہ اور پیار کی آواز و نیک
لقب سے جو محبت کا نغمہ بنکر سماعت کے پردوں میں ہوتا ہوا دل و دماغ کے
عشرت خیز میدانوں میں پہنچ جائے اور یہ بھی ضرور ہے کہ دونوں تعلق اخوت و محبت
رکھنے والے آپس میں اپنے تعلقات کو جتاتے بتاتے رہیں۔ اور زیادتی مراتب
و استحکام کے لئے عملی کارروائیوں کو گواہ بنائیں۔ اس کے سبب رابطہ محبت

واخوت کسی گھڑی بدعنوانی یا غفلت و تغافل کی کند چھری سے ہلاک نہ ہوگا۔

پانچواں مقام عفو ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دوست کی خطاؤں لغزشوں جرموں کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہئے وہ معافی ہے۔ غصہ و خفا میں جو خلاف حسن خلق اثر ہے وہ نہایت بد ہے اور آئندہ کے لئے بہت سی برائیوں کا پیش خیمہ لہذا اس کو منہ لگانا اور کام میں لانا کسی صداقت مآب بزرگ ہادی کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ ہاں اتنا ضرور کہا جاتا ہے کہ تھوڑی سی وقتی خجالت دینے کو اور ناعاقبت اندیشی کی کارکردگی کی ندامت کے لئے گونہ ملال آمیز رنجش و کبیدگی کا موقعہ بموقعہ متین طریقے سے اظہار کر دیا جائے۔

سیاحیو! قانون سلطنت کی خلاف ورزی اپنے مجرم کو جیل خانہ بھیج کر اس کی سرتابی کی سزا دیکر اس کو تنبہ و خائف کر دیتی ہے جس سے آئندہ اقدام جرائم کا سد باب ہو جاتا ہے اور ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ کوئی قوت اور زبردست طاقت میرے اعمال و افعال کا جائزہ لینے والی ہے یہ خیال اور عملی سزائے جرم کی سختیاں اور ناگوار تکلیفیں پھر جرم سے باز رکھتی ہیں۔

بخلاف اس کے جرم محبت اور معصیت مودت و اخوت کی پاداش میں ذرا سا چتون بدل لینا تیوری چڑھا لینا کھنچ بیٹھنا رک رک کر بات کرنا ٹھہر ٹھہر کر اکتا اکتا کر کلام کرنا بیرخی سے آنا جانا بیدلی سے اٹھنا بیٹھنا بے مہری سے ہنسنا بولنا جیلخانہ کی لاکھ مشقتوں سے کہیں زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلق محبت ایک قلبی لگاؤ ہے۔ جس کے جملہ آثار ایک امتیازی نوعیت لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک دوست کی دوسرے دوست سے کبیدگی و اظہار ملال بہت رنج دہ اور جان لیوا صدمہ ہوتا ہے ؎

تیوری ادھر چڑھی تو ادھر دم نکل گیا

اور یہ مسلم ہے کہ جس قدر تکلیف شدید ہوگی جرم کی سنگینی کا ثبوت دیکر قلب میں ایک تنفر کی لہر پیدا کر دے گی جس کے سبب پھر اُس کی خواہش و عمل کا مادہ معدوم و ناپید ہو جائے گا اور فطرت ندامت کے ساتھ آئندہ ایسے نہ کرنے کے وعدہ پر اور خواستگاری معافی پر مائل کرے گی۔ آپ حضرات خیال فرما سکتے ہیں کہ قلبی تکلیف اور روحی الم تمام تکالیف سے سخت ہے جو قلبی رابطہ و تعلق کے سبب ایک دوست کو دوسرے دوست سے پہنچکر صرف یہی سزا اور بار محبت سے تجویز کرتا ہے کہ اس کو دیکھے تیوروں اور اُکھڑی اُکھڑی باتوں سے معمولی کبیدگی سے سزا دیکر اپنی طرف کھینچ لیا جائے اور معافی دے کر آئندہ کے لیے ڈرا دیا جائے اور پھر مہربانی و تلطف کے لہجہ میں اچھائی برائی سے آگاہ کر دیا جائے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوست معصیت مذہبی اور جرم عقائد دینی کا مرتکب ہو تو بھی کیا عفو سے کام لینا چاہیے اس کا جواب یہاں عرض کرنے میں بہت طول کلام کا خیال ہے آپ لوگ منتظر رہیں آخر میں انشاء اللہ اس پر بھی بحث کروں گا۔ مگر چونکہ اس وقت بھی جواب نہ سہی تو اُس کی طرف اشارہ ضرور ہے۔ ورنہ مضمون کی ایک شق بجائے ختم ہونے کے بیکار ہو جائے گی لہذا خیر القرون والے فضلا میں سے حضرت ابوذرؓ کا مختصر سا فتویٰ اسی کے متعلق عرض کئے دیتا ہوں وہ فرماتے ہیں اذا انقلب اخوک عما کان علیہ فابغضہ من حیث احببتہ یعنی مذہبی دینی مفارقت کا وقت آجائے تو سختی سے جدائی ہی ٹھیک ہے اور اسی طرح علیحدگی مناسب ہے جس حیثیت سے محبت تھی۔

چھٹا مقام دعا ہے ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے لیے بہتری چاہنا اور اُس کے لیے طلب خیر کرنا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس طرح اپنے بھائی کے لیے طلب خیر کی جائے جس طرح اپنے نفس کیواسطے جد وجہد ہوتی ہے

ہادیٔ برحق کا ارشاد ہے کہ "جب کوئی بھائی اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو ملائکہ اُس کے واسطے ویسی ہی طلب خیر کرتے ہیں" اس مقام میں بھی کمال اتحاد کا سبق پڑھایا گیا ہے اور حقیقی حسن خلق کی جھلک دکھادی گئی ہے۔

ساتواں مقام

وفا و اخلاص ہے صاحبو! وفا کا لفظ اس قدر عام ہے اور اس قدر اس کا استعمال ترقی کر گیا ہے کہ کثرت استعمال اس غریب کے مفہوم کی دشمن بن گئی ہے۔ کتنے لوگ ہوں گے جو وقت تلفظ و استعمال اس کے صحیح معنی کا لحاظ رکھتے ہوں غرضکہ اس کی عمومیت و اشاعت اس کی حقیقی مراد سے بڑی بدسلوکی کا برتاؤ کر رہی ہے۔ "وفا" کے معنی ہیں زندگی بھر سلسلۂ محبت کا چلنا اور بعد زندگی ایک دوست کے دوسرے کا اُس کے اہل و عیال اور اُس کے دوست و احباب کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کرنا۔ ہر سختی و لعن و طعن کا پامردی سے مقابلہ کرنا اور ہر آفت و مصیبت پر ثابت قدم رہنا۔ اور اُس سلسلہ میں کسی طرح رکاوٹ نہ آنے دینا۔ جس حال پر محبت و مودت کا استحکام ہوا ہے اُس میں حتی الامکان ترقی دینا۔ یہ وفا کا مفہوم ہے اور کمال اُخوت کی زریں تعلیم۔ جس میں تمام مسلمان ایک جسد کی طرح سمجھائے گئے ہیں اور ایک دوسرے غیر منقطع حق لازم کیا گیا ہے بلاشبہ جب تک مسلمان مسلمان ہیں۔ آپس میں وابستہ اور پیوستہ ہوں عام اس سے کہ کتنا ہی بُعد مکان و زمان اُنمیں حائل ہو"

آٹھواں مقام

تخفیف و بے تکلفی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو بیجا تکلیف میں نہ پھانسے اور اگر ضرورت ہو تو بلا تامل دونوں ایک ہی حالت رنج و غم میں کردہ و ناکردہ کے شریک بن جائیں۔ کسی امر میں کوئی مغائرت نہ رہے اور ایک دوسرے پر کسی وقت بھی بار نہ ہو ہر ملاقات ایک حالت

پڑ رہے یہ نہیں کہ کبھی تو آؤ بھگت انتظام و اہتمام ہو اور کبھی بات بھی نہ پوچھی جائے بلکہ زائد انتظام و تکلف اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی کمال اتحاد کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہے۔

صاحبو! یہ آٹھ مقام آٹھ اصول اخوت و مودت ہیں ان کی عمومی شان میں جو عمدگیاں بہتریاں بھلائیاں اپنا مبارک و نیک جود چھپائے ہوئے ہیں اپنے سعادت کے جوبن کو پردے میں لئے ہوئے ہیں اپنی تجلہ نشینی سے عالم کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں وہ ہر ذی شعور پر ظاہر ہے۔ اخوت اور مودت کی قرابت قائم کرنے والوں نے محاسن اخلاق کی تکمیل کے لئے دیکھئے کیسی وضاحت سے ہر امر کو صاف و روشن کر دیا اچھا برا سمجھا دیا کھرا کھوٹا سوجھا دیا۔ اور تمام شعبوں پر حکمی عقلی بسیط بحث کر دی تاکہ کوئی امر غیر قطعی اور مخالف فطرت سلیمہ نہ رہ جائے اور پھر اس دولت مواخاۃ سے حرماں نصیبی نصیب ہو۔ اس عموم کے بعد خاص مرتبہ میں حقوق والدین اہل و عیال۔ اور حقوق حاکم و استاد و مربی و جار وغیرہ ہیں جن میں طرفین کی رعایتیں اور جانبین پر حکمی ہدایتیں ہیں۔

حقوق خصوصی

مثلاً جہاں باپ بیٹے کے حق کا ذکر ہے وہاں ایک دراز زمانہ تک باپ پر سختی اٹھانے ہر محنت و مشقت برداشت کر کے اولاد کو پرورش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر اس کے بعد باپ کو مسند راحت پر بٹھا کر انت و مالک لابیک کا فرمان سنا دیا گیا ہے۔

مردوں کو عورتوں پر جہاں زبردست قبضہ الرجال قوامون علی النساء کہہ کر دیا گیا ہے وہیں ساتھ ساتھ ہی عورتوں کے حقوق کی بھی کامل نگہداشت رکھی گئی ہے اور مرد پر سختی سے یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ وہ عورت کی ہر طرح خاطر و مدارات کرے اگر مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے تو عورت بھی مہر کا زر دعویٰ

رکھتی ہے جس کی تہ میں اُس کی آیندہ زندگی کے خراب نہ ہونے اور آسانی سے نکاح ثانی تک کے زمانہ کا سامان ہے اور اگر نکاح نہ بھی ہو تب بھی راحت و بُسر کا پہلو مدنظر رہے اور وہ پیٹ پال سکے۔ عورت کا یہ حق بغیر اس کی رضا کے مرد کسی طرح ساقط نہیں کر سکتا اور بلا اجازت عورت مہر کی ذمہ داری مرد سے نہیں چھوٹتی۔

بادشاہ پر رعایا کا حق یہ ہے کہ وہ اُن کی نگہداشت کرے اُن کی بہتری کے اسباب و وسائل نکالے اُن کی بہبودی و فلاح کی فکر میں رہے اُن کے جائز مطالبات تسلیم کرے اُن کی واقعی فریادیں سنے اور اُن کی غلطیوں اور ناجائز کارروائیوں پر اُن کو تنبیہ کرے اور اُن کے حد سے متجاوز اور غیر واقعی و بیجا خواہش کو رو کے ہدایت سے کام لے غور فرمائے دوسروں کے حقوق تلف و غصب کرنے پر سرزنش کرے اور خود ظلم نہ کرے اور تکلیف دہ قوانین نہ بنائے۔ اور رعایا کے مال کو اپنا مال نہ سمجھے بلکہ اُس کو رعایا کے مفاد میں ہی صرف کرے اور رعایا کا دل ہاتھ میں لئے رہے اور اپنے آپ کو محض اُن کا محافظ سمجھے نہ مالک و جبار۔

اور بادشاہ کا حق رعایا پر یہ ہے کہ رعایا اُس کے جائز احکام و قوانین سیاست کی مطیع رہے اور اُس کے احکام کی پابند۔ اُس کے عدل و کرم کو ظاہر کرے اور کلمۂ حق و اظہار ظلم و جور میں کوتاہی نہ کرے، نیک امور اور حفاظت عامہ میں سلطنت کی حامی رہے۔ ہر اچھائی پر اظہار مسرت کرے اور ہر خامی و کمی و نارواو شور و حکم کی رکاوٹ اور عمال کے تغافل کی حکایت شاہ تک پہنچا کر طالب اصلاح بنے۔ غرضکہ شاہ سے عرض و معروض کرتی رہے اور فلاح مملکت میں کوشاں رہے۔

اسی طرح اور حقوق ہیں جن کی عمدگیاں مدارج محاسن اخلاق کا گرویدہ کر لیتے ہیں جیسے مالک و مملوک، اُستاد و شاگرد وغیرہ کے حقوق۔ گویا یہ قوانین اصلاح عالم ہیں

جو ہادی برحق نے ایسے لطیف پیرایہ میں ظاہر کئے ہیں اور اس عالم کون وفساد میں ان کو منتظم ومحکم کرکے محاسن عادات کے حسن محل کے ستون ٹھہرا دیئے ہیں جس کے سبب ہماری انسانی تمدن کی چاردیواری تہذیب نفس وتحصیل کمال کی دولت کا حصار بنی ہوئی ہے ورنہ پھر ہم میں اور مطلق العنان حیوانوں میں مابہ الامتیاز اُٹھ جائے گا۔

معزز حضرات! ایک بات اور ذہن میں آرہی ہے اُس کو بھی عرض کردینے کی اجازت چاہتا ہوں۔ غور فرمایئے۔ حضور ہادی برحق معلم محاسن اخلاق نے ہمیں جو تعلیم دی وہ منجانب اللہ دی اور دعویٰ کرکے سبق پڑھایا کہ میں خدا کا رسول ہوں میرا تعلق معمولی پیغامبر وقاصد کا سا نہیں بلکہ عرفانی روحانی تعلق ہے۔ میں اپنے بشر ہونے کا منکر نہیں نہ جن وفرشتہ ہونے کا مدعی ہوں البتہ مجھ میں ایک خاص جوہر ہے جو تم میں سے کسی میں نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ میرے اس جوہر سے تم کو حصہ ملجائے اور تمہیں کوئی نئی عجیب چیز میں دیدوں بہرحال ہمیں تعلیم دیتے ہوئے مسئلہ عرفان الٰہی کو اشارتاً وکنایتاً ضرور بیان کردیا جس کا یہ بھید تھا کہ یہ عالم عالم امکان وحدوث ہے ایک وقت یہ مجموعہ کل اور اس کی متفرق ولفریب نیرنگیاں سب کی سب معدوم ہو جائیں گی۔ جس قدر رابطے علاقے ہیں ناپید ہو جائیں گے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ نہ ہم میں یہ قدرت کہ ہمیشہ باقی رہیں نہ ہمارے تعلقات میں یہ قوت کہ وہ ناپید نہ ہوں اور کسی اپنی خاصیت سے اپنے تعلقات کو غیر فانی کرسکیں۔ یہ بڑی زبردست اور زوردار بات تھی جس کو ہادی عالم نے سمجھ کر ایسے قالب میں ڈھالا کہ سبحان اللہ اور وہ عمدہ طریقہ بیان کیا کہ ماشاء اللہ اس کو حضرات صوفیائے کرام نے سب سے پہلے لیا اور اپنے ساتھ مخصوص کرلیا اور وہ بہت جلد اس رمز کو سمجھ گئے کہ اپنی توجہ

ممکنات وحوادثات سے ہٹا کر قدیم وواجب کی طرف پھیر دو۔ اپنے ارادوں کو بڑھاتے بڑھاتے اتنا اونچا کرو کہ اُن پر سحاب وجوب کے چھینٹے پڑنے لگیں۔ اور قدم کے فیض محل سے بارش کرم ہونے لگے۔ اس کی پہلی منزل یا پہلی سیڑھی ایسی ہے جس پر تم کچھ کچھ قدم رکھ چکے ہو اور تھوڑے اُس سے واقف ہو گئے ہو۔ اس منزل کا پہلا قدم یا اولی عزم وارادہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ہے۔ ممکنات ومصنوعات میں تم ضرور دل لگاؤ اُن کو دیدہ شوق سے دیکھو تاکو۔ مگر اُنہیں کے نہ ہو رہو بلکہ اُن کے بنانے والے کی طرف دھیان رکھو۔ قدرت کے ہر نمونہ کو ایک استدلال حکمت و قدرت باری تعالی سمجھو۔ ہر حسن صورت میں حسن ازلی و حسین حقیقی کے چمکتے جلوؤں کو پیش نگاہ رکھو۔ نفسانی خواہش واپنی طبیعت کے ارادہ سے اُس وقت تک اُس کی طرف نہ بڑھو جب تک اُس کے ساتھ کوئی غرض خدا واسطہ نہ ہو۔ دنیا میں جس سے محبت رکھو خدا کے واسطے۔ جس سے دشمنی وبغض رکھو خدا کے واسطے۔ تمہارے جتنے تعلقات ہیں سب میں للہیت کا اثر پیدا ہو جائے تو گویا یہ دوام وبقا کا لطف بخش سامان ہوگا اور ہر رنج وخوشی خدا واسطہ ہو کر میدان رضا وتسلیم تک تم کو پہنچا دے گی۔

حاضرین دربار! محبت وبغض کا مسئلہ اور اس کا خدا کے واسطے ہونا ایک اہم مسئلہ ہے مگر قربان ہادی عالم کی تعلیم کے جس نے سمجھا دیا اور واضح طور پر ہر پہلو بتا دیا اُن کی علامتوں سے انہیں پہچان کرا دیا۔ یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ انسان جبکہ مدنی الطبع ہے اور حاجات وضروریات کے دامنوں سے اُس کا دامن بندھا ہوا ہے۔ لہذا اس کو سلسلہ اُخوت اپنے بیگانوں سے قائم کرنا ہوگا۔ اُس کے ساتھ ہی خصوصی اثر مذہب کا بھی لحاظ لازمی ہے۔ جس میں سلسلۂ مودت واُخوت کی روک تھام کرنی ہوگی ورنہ بغض فی اللہ کا مفہوم مشتبہ

یا مخلوط ضرور ہو جائے گا اور اتفاق و اتحاد کی مشین میں ایک زنگ آلودہ پرزہ نظر آئے گا اور پھر دو متضاد حکم ایک جگہ موجود ہوں گے۔ یہ وہ خیال ہے جو ظاہر میں اور سرعت پسند دماغوں کو چکرا دیتا ہے اس کے متعلق ایک ضروری گذارش ہے۔

تعلقات ثلاثہ کی توضیح

ہم پر عقلاً نقلاً تین طرح کے تعلقات کا بار ڈالا گیا ہے۔ ایک من حیث النوع۔ دوسرا من حیث القوم۔ تیسرا من حیث المذہب۔

نمبر اول کے لحاظ سے ہم دنیا جہان کے آدمیوں سے مانوس ہیں کیونکہ ہیئت و صورت و طبیعت نوعی کے اعتبار سے کوئی مخالف اثر و منافر حالت نہیں لہٰذا ہمارا اُن کا رابطہ نوعی قائم ہے۔

نمبر دوم کے لحاظ سے ایک جداگانہ عموم و خصوص نکلتا ہے تمدن کیساتھ قومیت کا علاقہ بہت خاص اور بہت عام ہے۔ احتیاج عموم پر نظر ڈلواتی ہے اور حفظ مراتب و مراعات قوم کو مخصوص کر لیتی ہے۔

نمبر تین کے لحاظ سے بحد خصوص اور اہم رعایت و مخصوص نگہداشت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی خصوصیت کے سبب عقلاً بہت سی قیدیں شامل و داخل کرنی پڑتی ہیں جن کا خصوصی جلوہ مذہب کے چمکتے آفتاب کا پرتوہ ہے۔

صاحبو! من حیث المذہب ہم بہت امتیازی حالت رکھتے ہیں اور ہمیں ضرورت ہے کہ اس نمبر میں ہم آپ کو نہایت ممتاز و متشخص دکھائیں۔ اور اس کے احکام و لوازمات کے ظاہر کرنے اور برتنے میں کامل پابندی کریں اور مذہبی ہو کر بھی امتیازی رویہ رکھیں اور دینی وقار بنائیں تمدن کی آزادی اور قومی مراعات اور ہیں اور تدین اور سب سے جداگانہ مقام ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ راہ وہ لوگ بہت غلطی پر ہیں جو مذہبی معاملات میں ناروا آزادی کی راہ چلتے

ہیں اور اس کے خصوصی وقار و لازم ادب کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہ مسلم کہ معاملات تمدنی اور بعض ضروریات قومی عام میل جول کی طرف مائل کر دیتی ہیں مگر اس کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ مذہبی قیود اور شان دینداری کے امتیازی نشان کو خیرباد کہہ دیا جائے گا اور ضروریات وقتی و زمانی کے ہاتھوں روحانی جذبات کو بیچ ڈالا جائے گا یا خدانخواستہ اثر تمدنی و قومی سے متاثر ہو کر اور اُس کا بے موقعہ و بے محل پاس کر کے احکام مذہب سے اعراض کر لیا جائے گا

شارع علیہ السلام سے جو احکام مودت و اخوت منقول ہیں وہ بھی تین قسم کے ہیں اور اُن میں بھی عام و خاص و اخص الخواص کا فرق ہے ورنہ پھر ایک بے ڈھنگی تعلیم اور بے معنی اصلاح ماننی پڑے گی۔ جس کا خیال بھی باعث کفران نعمت و خسران عاقبت ہے۔

ہادی برحق نے اصلی اخوت و مودت کی تعلیم اُن کے آپس میں دی ہے جو من حیث المذہب والاعتقاد ایک راستہ پر ہیں انہیں لوگوں کی حقیقی حرمت کا پاس اور انہیں کا ازابتدا تا انتہا ادب و وقار و خیال لازم کیا گیا ہے اور اگر یہ نہ مانا جائے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اہل ہوا و بدع سے اجتناب اور اُن کی مجالست و مخالطت سے احتراز لازم کیا گیا ہے اور ایسا کرنے پر سخت سخت وعیدیں وارد کی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مدعیان کلمہ گوئی کے جنازہ پڑھنے سے ممانعت ہے۔ بعض کی عیادت سے منع کیا گیا ہے بعض کے پاس اُٹھنے بیٹھنے سے روکا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ظاہری و باطنی اصلاح فرمانے والے تھے۔ لہٰذا ہم کو دنیا کا میل جول بتا کر دینی میل جول بھی بتایا اور چونکہ یہ مسئلہ اہم و نازک تھا لہٰذا اس کے تمام خراب و بد پہلو سے بھی علی وجہ الکمال آگاہ کر دیا۔ چونکہ وہ لوگ جو حقیقتہً

مذہب کو خراب کرتے ہیں۔ اپنی مذہبی خرابی کا تمی اثر رکھتے ہیں لہذا اُن سے میل و موانست سخت خطرناک ہوتی ہے اور اُن کو اس کی فکر رہتی ہے کہ اپنی بُرائی سے اوروں کو بھی نقصان پہنچائیں اور اپنے رنگ میں رنگ لیں تاکہ جماعت ہو جانے سے اکیلے نکو نہ بنیں پس ضرور ہے کہ اُن سے علیحدگی ہی رہے اور سمجھ لیا جائے کہ سچی محبت و مودّت اپنے یک رنگ ہم مذہب و ہم مشرب حضرات سے ہی مناسب ہے اور اسی کی تعلیم ہادی برحق نے دی ہے۔ خداوند عالم بطفیل ہادی برحق ہماری ظاہر و باطن کی صفائی فرما دے تو حق اور باطل نظر آجائے اب آپ لوگ بھی دعا کیجئے وقت زائد ہو گیا اور مجھے کچھ خیال نہ ہوا معافی چاہتا ہوں۔

یارب بحق کرم عام اور فضل خاص ہمیں عام و خاص میں عزت دارین دے۔ یارب برحمت رحمۃ للعٰلمین ہمیں توفیق خیر دے اور ہم پر اپنی خصوصی رحمت نازل کر۔ الٰہی ورجائی۔ صدقہ اپنے محبوبان بارگاہ کا ہم پر عرفان و اپنی رضا کا ور کھول دے۔

ہماری اور تمہاری موجودہ اور آنے والی نسلوں کی تربیت آغوش اسلام و ایقان میں فرمایا ربی یا قدوس اپنی کمال سطوت و جبروت کے صدقہ میں ہمیں ایمانی قوت بخش اور روحانی بلندی دے۔

ہادی عالم مصلح اعظم جان اسلام اپنے محبوب عظیم کا سچا غلام اور اپنے اسلام کا پسندیدہ خادم بنا دے۔ سروں میں دین کا سودا دے دلوں میں دینی درد آنکھوں میں عرفان کا نور دے خیالوں میں صحیح اور اک مفہوم ایمان ۔ اللھم ارنا الحق حقا و الباطل باطلا وارزقنا خیراً کثیراً فی الدنیا والاٰخرۃ آمین آمین آمین ۔

ہادیِ برحق کا ارشاد ہے کہ "جب کوئی بھائی اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو ملائکہ اُس کے واسطے ویسی ہی طلب خیر کرتے ہیں" اس مقام میں بھی کمال اتحاد کا سبق پڑھایا گیا ہے اور حقیقی حسن خلق کی جھلک دکھادی گئی ہے۔

ساتواں مقام وفا و اخلاص ہے۔ صاحبو! وفا کا لفظ اس قدر عام ہے اور اس قدر اس کا استعمال ترقی کر گیا ہے کہ کثرت استعمال اس غریب کے مفہوم کی دشمن بن گئی ہے۔ کتنے لوگ ہوں گے جو وقت تلفظ و استعمال اس کے صحیح معنی کا لحاظ رکھتے ہوں غرضکہ اس کی عمومیت و اشاعت اس کی حقیقی مراد سے بڑی بدسلوکی کا برتاوا کر رہی ہے۔ "وفا" کے معنی ہیں زندگی بھر سلسلۂ محبت کا چلنا اور بعد زندگی ایک دوست کے دوسرے کا اُس کے اہل و عیال اور اُس کے دوست و احباب کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاوا کرنا۔ ہر سختی و بعن وطعن کا پامردی سے مقابلہ کرنا اور ہر آفت و مصیبت پر ثابت قدم رہنا۔ اور اُس سلسلہ میں کسی طرح رکاوٹ نہ آنے دینا۔ جس حال پر محبت و مودت کا استحکام ہُوا ہے اُس میں حتی الامکان ترقی دینا۔ یہ وفا کا مفہوم ہے اور کمال اُخوت کی زریں تعلیم۔ جس میں تمام مسلمان ایک جسد کی طرح سمجھائے گئے ہیں اور ایک دوسرے غیر منقطع حق لازم کیا گیا ہے بلاشبہ جب تک مسلمان مسلمان ہیں۔ آپس میں وابستہ اور پیوستہ ہوں عام اس سے کہ کتنا ہی بعد مکان و زمان اُنمیں حائل ہو۔

آٹھواں مقام تخفیف و بے تکلفی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو بیجا تکلیف میں نہ پھانسے اور اگر ضرورت ہو تو بلاتامل دونوں ایک ہی حالت رنج و غم میں گردہ وفا گروہ کے شریک بن جائیں۔ کسی امر میں کوئی مغائرت نہ رہے اور ایک دوسرے پر کسی وقت میں بار نہ ہو ہر ملاقات ایک حالت

پر رہے یہ نہیں کہ کبھی تو آؤ بھگت انتظام و اہتمام ہو اور کبھی بات بھی نہ پوچھی جائے بلکہ زائد انتظام و تکلف اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی کمال اتحاد کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہے۔

صاحبو! یہ آٹھ مقام آٹھ اصول اخوت و مودت ہیں ان کی عمومی شان میں جو عمدگیاں بہتریاں بھلائیاں اپنا مبارک و نیک وجود چھپائے ہوئے ہیں اپنے سعادت کے جوبن کو پردے میں لئے ہوئے ہیں اپنی حجلہ نشینی سے عالم کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں وہ ہر ذی شعور پر ظاہر ہے۔ اخوت اور مودت کی قرابت قائم کرنے والوں نے محاسن اخلاق کی تکمیل کے لئے دیکھئے کیسی وضاحت سے ہر امر کو صاف و روشن کر دیا اچھا بُرا سمجھا دیا کھرا کھوٹا سوجھا دیا۔ اور تمام شعبوں پر حکمی عقلی بسیط بحث کر دی تاکہ کوئی امر غیر قطعی اور مخالف فطرت سلیمہ نہ رہ جائے اور پھر اس دولت مواخاۃ سے حرماں نصیبی نصیب ہو۔ اس عموم کے بعد خاص مرتبہ میں حقوق والدین اہل و عیال۔ اور حقوق حاکم و استاد و مربی و جار وغیرہ ہیں جن میں طرفین کی رعایتیں اور جانبین پر حکمی ہدایتیں ہیں۔

حقوق خصوصی

مثلاً جہاں باپ بیٹے کے حق کا ذکر ہے وہاں ایک دراز زمانہ تک باپ پر سختی اٹھانے ہر محنت و مشقت برداشت کر کے اولاد کو پرورش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر اُس کے بعد باپ کو مسند راحت پر بٹھا کر امت و مالک کا بیٹے کا فرمان سنا دیا گیا ہے۔

مردوں کو عورتوں پر جہاں زبردست قبضہ الرجال قوامون علی النساء کہہ کر دیا گیا ہے وہیں ساتھ ساتھ ہی عورتوں کے حقوق کی بھی کامل نگہداشت رکھی گئی ہے اور مرد پر سختی سے یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ وہ عورت کی ہر طرح خاطر و مدارات کرے اگر مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے تو عورت بھی مہر کا زور و دعویٰ

رکھتی ہے جس کی تہ میں اُس کی آئندہ زندگی کے خراب نہ ہونے اور آسانی سے نکاح ثانی تک کے زمانہ کا سامان ہے اور اگر نکاح نہ بھی ہو تب بھی راحت و یُسر کا پہلو مدنظر رہے اور وہ پیٹ پال سکے۔ عورت کا یہ حق بغیر اس کی رضا کے مرد کسی طرح ساقط نہیں کر سکتا اور بلا اجازت عورت مہر کی ذمہ داری مرد سے نہیں چھوٹتی۔

بادشاہ پر رعایا کا حق یہ ہے کہ وہ اُن کی نگہداشت کرے اُن کی بہتری کے اسباب و وسائل نکالے اُن کی بہبودی و فلاح کی فکر میں رہے اُن کے جائز مطالبات تسلیم کرے۔ اُن کی واقعی فریادیں سنے اور اُن کی غلطیوں اور ناجائز کارروائیوں پر اُن کو تنبہ کرے اور اُن کے حد سے متجاوز اور غیر واقعی و بیجا خواہشوں کو رد کرے ہدایت سے کام لے غور فرمائے دوسروں کے حقوق تلف و غصب کرنے پر سرزنش کرے اور خود ظلم نہ کرے اور تکلیف دہ قوانین نہ بنائے۔ اور رعایا کے مال کو اپنا مال نہ سمجھے بلکہ اُس کو رعایا کے مفاد میں ہی صرف کرے اور رعایا کا دل ہاتھ میں لئے رہے اور اپنے آپ کو محض اُن کا محافظ سمجھے نہ مالک و جبار۔

اور بادشاہ کا حق رعایا پر یہ ہے کہ رعایا اُس کے جائز احکام و قوانین سیاست کی مطیع رہے اور اُس کے احکام کی پابند۔ اُس کے عدل و کرم کو ظاہر کرے اور کلمۂ حق و اظہار ظلم و جور میں کوتاہی نہ کرے، نیک امور اور حفاظت عامہ میں سلطنت کی حامی رہے۔ ہر اچھائی پر اظہار مسرت کرے اور ہر خامی و کجی و ناروا و نفور و جور و ستم کی رکاکت اور عمال کے تغافل کی حکایت شاہ تک پہنچا کر طالب اصلاح بنے۔ غرضکہ شاہ سے عرض و معروض کرتی رہے اور فلاح مملکت میں کوشاں رہے اسی طرح اور حقوق ہیں جن کی عمدگیاں مدارج محاسن اخلاق کا گرویدہ کر لیتے ہیں جیسے مالک و مملوک اُستاد و شاگرد وغیرہ کے حقوق۔ گویا یہ قوانین اصلاح عالم میں

جو ہادی برحق نے ایسے لطیف پیرایہ میں ظاہر کئے ہیں اور اس عالم کون وفساد میں ان کو منتظم و بحد محکم کرکے محاسن عادات کے حسن تحمل کے ستون ٹھہرادیئے ہیں جس کے سبب ہماری انسانی تمدن کی چاردیواری تہذیب نفس و تحصیل کمال کی دولت کا حصار بنی ہوئی ہے ورنہ پھر ہم میں اور مطلق العنان حیوانوں میں مابہ الامتیاز اٹھ جائے گا۔

معزز حضرات! ایک بات اور ذہن میں آرہی ہے اُس کو بھی عرض کردینے کی اجازت چاہتا ہوں۔ غور فرمایئے، حضور ہادی برحق معلم محاسن اخلاق نے ہمیں جو تعلیم دی وہ منجانب اللہ دی اور دعوی کرکے سبق پڑھایا کہ میں خدا کا رسول ہوں میرا تعلق معمولی پیغامبر و قاصد کا سا نہیں بلکہ عرفانی روحانی تعلق ہے۔ میں اپنے بشر ہونے کا منکر نہیں نہ جن و فرشتہ ہونے کا مدعی ہوں البتہ مجھ میں ایک خاص جوہر ہے جو تم میں سے کسی میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ میرے اس جوہر سے تم کو حصہ مل جائے اور تمہیں کوئی نئی عجیب چیز میں دیدوں بہرحال ہمیں تعلیم دیتے ہوئے مسئلہ عرفان الٰہی کو اشارتاً و کنایتاً ضرور بیان کردیا جس کا یہ بھید تھا کہ یہ عالم عالم امکان و حدوث ہے ایک وقت یہ مجموعہ کل اور اس کی متفرق و دلفریب نیرنگیاں سب کی سب معدوم ہو جائیں گی۔ جس قدر رابطے علاقے ہیں ناپید ہو جائیں گے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ نہ ہم میں یہ قدرت کہ ہمیشہ باقی رہیں نہ ہمارے تعلقات میں یہ قوت کہ وہ ناپید نہ ہوں اور کسی اپنی خاصیت سے اپنے تعلقات کو غیر فانی کرسکیں۔ یہ بڑی زبردست اور زوردار بات تھی جس کو ہادی عالم نے سمجھ کر ایسے قالب میں ڈھالا کہ سبحان اللہ اور وہ عمدہ طریقہ بیان کیا کہ ماشاء اللہ اس کو حضرات صحابۂ کرام نے سب سے پہلے لیا اور اپنے ساتھ مخصوص کرلیا اور وہ بہت جلد اس رمز کو سمجھ گئے کہ اپنی توجہ

ممکنات و حوادثات سے ہٹاکر قدم واجب کی طرف پھیر دو۔ اپنے ارادوں کو بڑھاتے بڑھاتے اتنا اونچا کرو کہ اُن پر سحاب وجوب کے چھینٹے پڑنے لگیں۔ اور قدم کے فیض محل سے بارشِ کرم ہونے لگے۔ اس کی پہلی منزل یا پہلی سیڑھی ایسی ہے جس پر تم کچھ کچھ قدم رکھ چکے ہو اور تھوڑے اُس سے واقف ہو گئے ہو۔ اس منزل کا پہلا قدم یا اولی عزم وارادہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ہے۔ ممکنات ومصنوعات میں تم ضرور دل لگاؤ اُن کو دیدۂ شوق سے دیکھو تاکو۔ مگر انہیں کے نہ ہو رہو بلکہ اُن کے بنانے والے کی طرف دھیان رکھو۔ قدرت کے ہر نمونہ کو ایک استدلال حکمت و قدرت باری تعالیٰ سمجھو۔ ہر حسنِ صورت میں حسنِ ازل و حسین حقیقی کے چمکتے جلوؤں کو پیش نگاہ رکھو۔ نفسانی خواہش و اپنی طبیعت کے ارادہ سے اُس وقت تک اُس کی طرف نہ بڑھو جب تک اُس کے ساتھ کوئی غرض خدا واسطہ نہ ہو۔ دنیا میں جس سے محبت رکھو خدا کے واسطے، جس سے دشمنی و بغض رکھو خدا کے واسطے۔ تمہارے جتنے تعلقات ہیں سب میں للّٰہیت کا اثر پیدا ہو جائے تو گویا یہ دوام و بقا کا لطف بخش سامان ہوگا اور ہر رنج و خوشی خدا واسطہ ہو کر میدان رضا و تسلیم تک تم کو پہنچا دے گی۔

حاضرین دربار! محبت و بغض کا مسئلہ اور اس کا خدا کے واسطے ہونا ایک اہم مسئلہ ہے مگر قربان ہادی عالم کی تعلیم کے جس نے سمجھا دیا اور واضح طور پر ہر پہلو بتا دیا اُن کی علامتوں سے انہیں پہچان کرا دیا۔ یہ امر خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ انسان جبکہ مدنی الطبع ہے اور حاجات و ضروریات کے دامنوں سے اُس کا دامن بندھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو سلسلہ اُخوت اپنے بیگانوں سے قائم کرنا ہوگا۔ اُس کے ساتھ ہی خصوصی اثر مذہب کا بھی لحاظ لازمی ہے جس میں سلسلہ مودت و اُخوت کی روک تھام کرنی ہوگی ورنہ بغض فی اللہ کا مفہوم مشتبہ

یا مخلوط ضرور ہو جائے گا اور اتفاق و اتحاد کی مشین میں ایک زنگ آلودہ پرزہ نظر آئے گا اور پھر دو متضاد حکم ایک جگہ موجود ہوں گے یہ وہ خیال ہے جو ظاہر بیں اور سرعت پسند دماغوں کو چکرا دیتا ہے اس کے متعلق ایک ضروری گذارش ہے۔

تعلقات ثلاثہ کی توضیح

ہم پر عقلاً نقلاً تین طرح کے تعلقات کا بار ڈالا گیا ہے۔ ایک من حیث النوع۔ دوسرا من حیث القوم۔ تیسرا من حیث المذہب۔

نمبر اول کے لحاظ سے ہم دنیا جہان کے آدمیوں سے مانوس ہیں کیونکہ ہیئت و صورت و طبیعت نوعی کے اعتبار سے کوئی مخالف اثر و منافر حالت نہیں لہذا ہمارا اُن کا رابطہ نوعی قائم ہے۔

نمبر دوم کے لحاظ سے ایک جداگانہ عموم و خصوص نکلتا ہے تمدن کیساتھ قومیت کا علاقہ بہت خاص اور بہت عام ہے۔ احتیاج عموم پر نظر ڈلواتی ہے اور حفظ مراتب و مراعات قوم کو مخصوص کر لیتی ہے۔

نمبر تین کے لحاظ سے بحد خصوصی اور اہم رعایت و مخصوص نگہداشت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی خصوصیت کے سبب عقلاً بہت سی قیدیں شامل و داخل کرنی پڑتی ہیں جن کا خصوصی جلوہ مذہب کے چمکتے آفتاب کا پرتوہ ہے۔

صاحبو! من حیث المذہب ہم بہت امتیازی حالت رکھتے ہیں اور ہمیں ضرورت ہے کہ اس نمبر میں ہم آپ کو نہایت ممتاز و مشخص دکھائیں۔ اور اس کے احکام و لوازمات کے ظاہر کرنے اور برتنے میں کامل پابندی کریں اور مذہبی ہو کر بھی امتیازی رویہ رکھیں اور دینی وقار بنائیں تمدن کی آزادی اور قومی مراعات اور ہیں اور تدین اور سب سے جداگانہ مقام ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ راہ وہ لوگ بہت غلطی پر ہیں جو مذہبی معاملات میں ناروا آزادی کی راہ چلتے

ہیں اور اس کے خصوصی وقار و لازم ادب کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہ مسلّم کہ معاملات تمدن اور بعض ضروریات قومی عام میل جول کی طرف مائل کر دیتی ہیں مگر اس کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ مذہبی قیود اور شان دینداری کے امتیازی نشان کو خیرباد کہہ دیا جائے گا اور ضروریات وقتی و زمانی کے ہاتھوں روحانی جذبات کو بیچ ڈالا جائے گا یا خدانخواستہ اثر تمدنی و قومی سے متاثر ہو کر اور اس کا بے موقعہ و بے محل پاس کر کے احکام مذہب سے اعراض کر لیا جائے گا

شارع علیہ السلام سے جو احکام مودت و اخوت منقول ہیں وہ بھی تین قسم کے ہیں اور ان میں بھی عام و خاص و اخص الخواص کا فرق ہے ورنہ پھر ایک بے ڈھنگی تعلیم اور بے معنی اصلاح ماننی پڑے گی۔ جس کا خیال بھی باعث کفران نعمت و خسران عاقبت ہے۔

ہادی برحق نے اصلی اخوت و مودت کی تعلیم ان کے آپس میں دی ہے جو من حیث المذہب والاعتقاد ایک راستہ پر ہیں انہیں لوگوں کی حقیقی حرمت کا پاس اور انہیں کا از ابتدا تا انتہا ادب و وقار و خیال لازم کیا گیا ہے اور اگر یہ نہ مانا جائے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اہل ہوا و بدع سے اجتناب اور ان کی مجالست و مخالطت سے احتراز لازم کیا گیا ہے اور ایسا کرنے پر سخت وعیدیں وارد کی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مدعیان کلمہ گوئی کے جنازہ پڑھنے سے ممانعت ہے۔ بعض کی عیادت سے منع کیا گیا ہے بعض کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے روکا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ظاہری و باطنی اصلاح فرمانے والے تھے۔ لہذا ہم کو دنیا کا میل جول بتا کر دینی میل جول بھی بتایا اور چونکہ یہ مسئلہ اہم و نازک تھا لہذا اس کے تمام خراب و بد پہلو سے بھی علی وجہ الکمال آگاہ کر دیا۔ چونکہ وہ لوگ جو حقیقۃً

مذہب کو خراب کر دیتے ہیں۔ اپنی مذہبی خرابی کا سمّی اثر رکھتے ہیں لہٰذا اُن سے میل و موانست سخت خطرناک ہوتی ہے اور اُن کو اس کی فکر رہتی ہے کہ اپنی برائی سے اوروں کو بھی نقصان پہنچائیں اور اپنے رنگ میں رنگ لیں تاکہ جماعت ہو جانے سے اکیلے نکو نہ بنیں پس ضرور ہے کہ اُن سے علیحدگی ہی رہے اور سمجھ لیا جائے کہ سچی محبت و مودّت اپنے یک رنگ ہم مذہب و ہم مشرب حضرات سے ہی مناسب ہے اور اسی کی تعلیم ہادی برحق نے دی ہے۔ خداوند عالم بطفیل ہادی برحق ہماری ظاہر و باطن کی صفائی فرما دے تو حق اور باطل نظر آجائے اب آپ لوگ بھی دعا کیجیے وقت زائد ہو گیا اور مجھے کچھ خیال نہ ہوا معافی چاہتا ہوں۔

یارب بحق کرم عام اور فضل خاص ہمیں عام و خاص میں عزت دارین دے۔ یارب برحمت رحمۃ للعالمین ہمیں توفیق خیر دے اور ہم پر اپنی خصوصی رحمت نازل کر۔ الٰہی ورجائی۔ صدقہ اپنے محبوبان بارگاہ کا ہم پر عرفاں اور اپنی رضا کا در کھول دے۔

ہماری اور تمہاری موجودہ اور آنے والی نسلوں کی تربیت آغوش اسلام و ایقان میں فرما یارب یا قدوس اپنی کمال سطوت و جبروت کے صدقہ میں ہمیں ایمانی قوت بخش اور روحانی بلندی دے۔

ہادی عالم مصلح اعظم جان اسلام اپنے محبوب عظیم کا سچا غلام اور اپنے اسلام کا پسندیدہ خادم بنا دے۔ سروں میں دین کا سودا دے دلوں میں دینی درد آنکھوں میں عرفان کا نور دے خیالوں میں صحیح ادراک مفہوم ایمان دے اللھم ارنا الحق حقا و الباطل باطلا وارزقنا خیر اً کثیرا فی الدنیا والاخرۃ آمین امین امین۔

دربار کا پانچواں دن اور اُس کی بہار

دب دب کے اُبھرنے والا جوش۔ بیتابی سے پھڑکنے والے ولولے دبائے خیال کی موجوں کو اس تیزی سے بڑھا رہے ہیں اور کچھ اس بلا کی شورش مچانے پر قسم کھائے ہوئے ہیں کہ تمام محسوس و مشاہد نظارے ایک سطحی قوت سیالہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ حواس باطنی پر کچھ ایسا گہرا اور دلفریب رنگ حیرانی چڑھا ہوا ہے۔ جس نے حسِ ظاہر کو بھی عالم کی نیرنگیاں اور قدرت کی محسوس جلوہ آرائیاں دیکھنے اور اُن سے تعلق قائم کر دینے سے کلیتاً محرومی کا سبق پڑھا دیا ہے۔ بن بن کے دلوں کو کھینچنے والے دلفریب نقشے سنور سنور کے سامنے آنے والے مناظر دیدۂ دید طلب کی حیرت سے عکس آب ہو کر اپنی صورت آپ دیکھ کر رہ جاتے ہیں۔ اور اس ناکامی و بیرخی پر اپنی دلکشی و خوبی کو فرضی تصور کرنے لگتے ہیں۔ دل و دماغ پر حضرت تصور نے کسی کی ایسی تصویر کھینچ دی ہے کہ ہوش و حواس کو دنیا میں کسی اور طرف نگاہ اُٹھانا گویا جرم ہو گیا ہے۔ اگر کوئی خیال ہمت مردانہ سے اولوالعزمی کی شان سے آنے کی جرأت کرتا ہے تو وہی جس کے حسن صورت کا انطباع دامن حس مشترک پر ہو چکا ہے اور متخیلہ و حافظہ کے آئینوں میں اُس کے آثار و نشان کے نقوش موجود ہیں جن کی تجلیاں کبھی کبھی آئینہ حواس ظاہرہ پر اپنا پرتو ڈالدیتی ہیں اور مشتاق نگاہیں بیقرار ارمان بیچین ولولے۔ بیخودانہ لطف خیز حال قال سے اُن کے اظہار کی شاہد بن کر جلوہ نمائی کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ شوق بیتابی کی مجسم تصویر متحرک ہوئی بڑھی اور بڑھ کر کلیجہ تھام کر گر پڑی اور کچھ اس صوفیانہ

اضطراب سے نعرہ زن ہوئی کہ تمکنت پسند اور متحمل دل بھی لرزنے لگے۔ درد کی آواز کا ساعت بہ ساعت بڑھنا طرز کلام سے لحظہ بہ لحظہ اضطراب کا پیدا ہونا گردن اُٹھا کر آسمان کو دیکھنا اور پھر اُف کر کے رہ جانا' ایک پُر معنی حرکت مضطربانہ کا ثبوت دیتا ہے۔ بڑھتی ہوئی بے چینی اور اُمڈا ہوا شوق اظہار حال کے نقیب یعنی (گلے) پر بہم اثر ڈال کر اس حال کو اخفائے راز کے دامن میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے مگر کب تک آخر اضطراری سکون بے طاقتی و ضعف کا شرمندہ احسان ہو چلا اس کے ساتھ ہی جوش و خروش کی بڑھتی قوت دھیمی پڑ گئی۔ اب اس تصویر سے باقرینہ اظہار شوق ہونے لگا اور یہ آواز سنی گئی "یا اللہ آج بیقراری انتظار مجھے شرکت دربار علم سے ہمیشہ کے لئے محروم و مایوس تو نہ کر دے گی۔ میرے عوض میری روح تو دربار علم کا طواف کرنے نہ جائے گی۔ میری شگفتہ حسرتیں اور جوشیلی آرزوئیں میری عدم شرکت دربار علم کی مرثیہ خواں تو نہ بن جائیں گی۔ کیا واقعی دن کا کچھ حصہ طول ہو کر اپنی گردش سے آج مجھے بے کسی و مایوسی کی آغوش میں یکقضا کے ہاتھوں میں پہنچا دے گا۔ اور ہمیشہ کے لئے ناکام کا خطاب دیکر محو خواب عدم کر دیگا۔ نہیں نہیں یہ میرا خیال ہے اور میرے حد سے متجاوز شوق کا واہمہ۔ دیکھو! وہ سورج زرد ہو چلا۔ اب ڈوبا۔ اب چھپا۔ اب غروب ہوا' ہاں ہاں مغربی سیاہی اور اُفق کی روپہلی سنہری رنگت اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہی ہے ابھی وقت تو جانے والا اور دن بھر شاہی کرنے والا سورج اُترے ہوئے چہرے اور جھکتی مگر گہری نگاہوں سے بزم عالم کے سامانوں کو دیکھ رہا ہے اور دم بھر میں یہ دنیائے تابندہ ناپدید ہونے کو ہے آہ! جب تک ایک نظر درباری لباس ہی کو دیکھ لیں کہ ہر دن نئی وضع نرالی سج دھج سے چلا ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر

قرینہ سے ہر چیز سامنے رکھ لی۔ پھر خوش نظری کے ساتھ سطح سما پر ایک نظر ڈالی۔ یکایک کسی آواز نے چونکا دیا۔ اور اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کے اسلامی نغمۂ دعوت عبادت نے اپنی طرف متوجہ کر دیا۔ اس فرض سے ادا ہو کر تاریکی نے عالم میں اپنا قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اب جو ہم نے دیکھا تو ہی تصویر مثالی شوق درباری وضع میں لمبے لمبے قدم ڈالے بڑھی چلی جاتی ہے اور اپنے ارمانوں کی جولانگاہ دربار علم میں پہنچکر کلیجہ ٹھنڈا کرنے میں مصروف ہے۔

آج کے دربار میں کوئی امتیازی امر نہ تھا مگر مجمع زائد تھا اور تمام اراکین و حاضرین دربار اپنے اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے تھے حاضری ختم ہو چکی تھی۔ معمولی رسم توقف کا سناٹا چھایا ہوا تھا جس کو آج بھی "حضرت علم" کی اس تقریر نے دور کیا۔

گرامی قدر حاضرین!

آج کے دربار میں جن بزرگ کی تقریر ہوگی وہ ارض ہند کی ایک مقدس یادگار اور اسلام کی مایۂ ناز ذات علم حدیث کی امانت کو اہل ہند تک پہنچانے والی نیک ہستی اور سوز و گداز محبت کی آخری تصویر ہے۔ یہی وہ ذات ہے جس نے ہند کے تاریک پردہ پر نبی عربی کے احکام کے منور نقش و نگار کھینچکر اس سرزمین پر فن حدیث کو پھیلا دیا۔ یہی باادب ذات ہے۔ جس کے عشق و محبت کے ولولے عالم آشکار ہو کر ایک نیا دور آغاز کر گئے۔ اور اشاعت و خدمت علم حدیث کی ایسی بنیاد مستحکم کر گئے کہ ارض ہند سے کبھی بحمد اللہ یہ آثار مٹتے نظر نہیں آتے۔ اسی ذات کو وقت حاضری دربار مقدس تعبدار عالم علیک بالہند کے خطاب سے عزت اور خاص فضل و کرامت کی بشارت دی گئی۔

اب آپ لوگ زیادہ انتظار کی بے چینی نہ اٹھایئے۔ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ وہ کون بزرگ ہیں۔ سنیئے ان کا نام دنشان شیخ عبد الحق محدث دہلوی

ہے۔ یہ کہہ کر حضرت علم نے ایک بزرگ صورت کو ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس کھڑا کر لیا اور پھر فرمایا آج ان کی پُر زور تقریر ہوگی، اور یہ اپنی معلومات سے محظوظ کریں گے۔ یہ کہہ کر حضرت علم بیٹھ گئے۔

حضرت شیخ اُٹھے پہلے حاضرین کی مشتاق نگاہوں کا تمکنت و وقار آمیز خاموشی سے جواب دیا پھر تقریر شروع فرمائی۔

تقریر حضرت شیخ المتاخرین خاتم المحدثین علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

بسم اللہ بحمد اللہ و بحولہ و بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و اولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین

حضرات۔ جلسہ دربار میں یاد آوری کا شکریہ بھی مجھ سے قبل بہتر الفاظ میں ادا ہو چکا ہے۔ گرامی قدر و عالی مراتب فضلا و عرفا اعلیٰ مضامین و پُر اسرار و کیف بیانات بھی آپ لوگوں کو سُنا چکے ہیں۔ اور حل دقائق و کشف رموز و اظہار نکات میں بسیط و طویل تقریریں بھی ہو چکیں احکام و فضائل اعمال و تصوف پر لطیف پیرایہ میں مفصل کلام ہو لیا۔ غرضیکہ ضروریات مذاق علمی کی اکثر شاخیں اتمام کو پہنچ لیں۔

اس کے بعد ایک آخری زمانہ کا گمنام اور ارض بدنام ہند کا ساکن کیا کہے اور کیونکر کہنے کی جرأت کرے۔ اس مقام کی جلالت شان جس پر میں کھڑا ہوں، اور حضرات فضلا اور عرفا و مقررین سابقین کی عظمت کا خیال کر کے میرے بدن کو لرزہ آرہا ہے۔ بیشک مجھ سے قبل میرے اکابر اپنی معلومات سے عوام و خواص کو مستفیض فرمانے اس عالی مقام پر تشریف لائے۔ اور حقیقت میں اُن کا یہ فعل مرافقی، اور

موزوں و مناسب و ضروری تھا اور وہ ہر طرح اس کے اہل تھے۔

اب میرا اس مقام پر آنا اور حاضر ہو کر حضرت علم ادام اللہ فیضہم کی تعمیل ارشاد کے لئے یہاں اس لئے آ کھڑا ہونا کہ اپنے خیالات و مضامین کی تقریر سے اپنے اکابر کا فیض تصحیح حاصل کروں غالباً بیجا نہ ہوگا۔ بزرگ رتبہ مجالس اور گرامی شرف محافل میں ایسے ہی حضرات کا تقریر کرنا بیان فرمانا مفید و موثر ہوتا ہے جیسا مجھ سے قبل حضرت علم کے انتخاب وقتی سے عمل میں آیا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اکابر کے بعد اصاغر بھی پیش کر دیئے جاتے ہیں جس سے چند غرضیں ہوتی ہیں اور یہ خود حضرات اکابر کی معنی خیز نوازشیں سمجھی جاتی ہیں۔ کہ دل بڑھانے کے لئے تصحیح خیالات کے لئے اپنے فیض یافتوں کو اپنے رنگ میں اپنے کام میں دیکھنے دکھانے کے لئے مجمع عام و خاص میں مامور کر کے کھینچ بلایا جاتا ہے اور قدر افزائی کا تاج اُن کو اُڑھا دیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ہمارے فیض کے قاسم و معطی کام میں موجود ہیں۔ جن کو ہم خود اپنا وارث فضل و کمال سمجھتے ہیں۔

"حضرات" اس مقام پر بہت سے معمولی دماغ تو تباہ بھی ہو جاتے ہیں اور حضرات اکابر کی اس عزت افزائی سے اُن کی شان عجب ڈینگ مار کر ان کو انانیت کے عمیق و تاریک گڑھے میں پھینک دیتی ہے اگرچہ وہ اس کو بام ترقی سمجھتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اس مرتبہ اور اس مقام پر بکمال خضوع و خلوص دعا کی جائے اب رب ہمارے دلوں میں حضرات اکابر کے اتباع و ادب و پیروی کا کامل لحاظ ڈال۔ ہمیں اپنے اسلاف و اساتذہ و شیوخ و اکابر عظماء کے سامنے سر جھکائے ہوئے رکھ اُن کی عظمت و حرمت و عزت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔ اس کے بعد جو کچھ ان سے پایا ہے۔ اُن کے سامنے دہرانے اور حصول فیض کے لئے تقریر و بیان میں کیا تامل اُس پر جبکہ حضرت صدر بزم

جناب علم کا حکم بھی موجود۔
مگر پھر سوچتا ہوں کہ کیا رہ گیا جو میں کہوں کونسا مضمون باقی ہے جس پر توجہ کروں۔ اُس کے ساتھ ہی حضرات اہل دربار کے بے لطف ہو جانے کا اندیشہ اور اگر غیر مفید مضمون ہو تو غرض انعقاد دربار کے خلاف کا واہمہ عجب عالم تفکر میں ڈالے ہوئے ہے۔
مگر یہ بھی یقین کر چکا ہوں کہ مجھے کچھ نہ کچھ کہنا ضرور ہوگا اور جس طرح بھی بنیگا حضرت علم کی شاندار مجلس دربار کا آج کا وقت اپنی تقریر سے گزارنا ہوگا۔ لہذا اب جو کچھ میرے ذہن میں فوری بات آئی ہے اُس کو توجہ سے سُنیئے اور میرے اکابر کا فیض سمجھکر اُنہیں حضرات کی تقریروں میں اس کو بھی شامل سمجھئے۔
حضرات! ہماری فلاح دارین کے لئے ہماری تعلیم خیر کے واسطے ہمارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے جو ہر امر کا قطعی فیصلہ اور اذعانی حکم ہمیں بتا رہی ہے اور ہماری بہتری و ترقی مدارج کی ذمہ وارنی ہوئی ہے۔ یہ کتاب مقدس و صحیفہ فطرت و دستور قدرت ہم تک خدائی کے ہادی حضور نبی عالم رسول المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے۔ حضور نے اس کتاب کو ہمیں سونپتے ہوئے سمجھا دیا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک کا دستور العمل اور عام حکمنامہ ہے۔ مگر اس کے احکام تصریحی و تلمیحی کے حکم و اشارات و متعلقات اور پھر اُن کے رموز و لطائف خصوصیات و تعینات ہمیں زبان حضور ہادی عالم سے معلوم ہوں گے۔ اسی مضمون کو قرآن عظیم نے خود بھی مختلف عنوانوں متعدد پیرایوں سے خوب خوب واضح و روشن کر دیا ہے۔ ما اتکم الرسول فخذوہ۔ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اور اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ان تنصروہ کا مفاد اور آیات عظیمہ کا صحیح و صریح ارشاد بتا رہا ہے کہ اطاعت و پیروی

اخذ و قبول احکام سرکار نبوی لازمی و ضروری۔ اور یہ کلمہ اطاعت و پیروی بعض احکام ظاہرہ منصوصہ ہی تک کے لئے نہیں۔ بلکہ جو کچھ ان سے پہنچے اس کو حاصل کرو۔ اور ہر امر میں ان کی اطاعت فرض سمجھو۔ ان کی اطاعت اور ان کے احکام و فرامین و ارشادات کی تسلیم ہی تمہارے لئے باعث برکت و موجب عزت ہے۔

"حضرات! یہ بات بلا کسی برہان قائم کئے تسلیم کرنی پڑے گی کہ ظاہری سمجھ اور انسانی سطحی قوت درک، فہم اسرار احکام و احاطہ رموز و دقائق کلام الٰہی سے قطعاً عاجز و عاری ہے جس کے واسطے بیان سرکار نبوت کی طرف رجوع اور فرمان دربار رسالت کی طرف احتیاج لازمی۔ اس واسطے کہ ظاہر سے ظاہر حکم متعلق عبادات و مفید اعتقادیات بھی ہمیں بلا واسطہ حضور پہنچنا محال پس ہمارے واسطے ہر حال میں قول و کلام بیان و فرمان حضور سرور عالم کی طرف توجہ کرنی امر ناگزیر و ضروری اور حدیث کا ذخیرہ اور اخبار و آثار کا سرمایہ جمع کرنا اور اس کو ہی تفسیر و توضیح احکام الٰہیہ غیبیہ جاننا ماننا ازبس مفید ہے۔

یہاں سے میں تمہید ختم کرکے اپنی مراد تقریر یعنی بیان متعلق حدیث و فن حدیث پر آ گیا ہوں۔ اور قبل اس کے کہ تعریف اقسام حدیث عرض کروں ایک مختصر گذارش اور مؤدبانہ عرض ضروری جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے اسوقت جو کچھ کہا اور عملاً و علماً جتنا کچھ تحریر و تصنیف کیا جس میں الحمد للہ کہ میرا سرمایہ آخرت اور بیان شان سرکار عزت اور فن حدیث و سیر کی خدمت کا جزو اغلباً افزوں ہے۔ اس سے میری مراد یہ نہ تھی اور نہ ہے کہ عامیانہ حدیث دانی اور رسمی لقب محدث حاصل کر لیتے اور ادعائے باطل عمل بالحدیث ہی کو مستحسن کہلوا دوں اور اس مذہب و مسلک مفہوم صحیح کو بھی بہتر ٹھہرا دوں۔ نہیں بلکہ میں محدث

کامل، اس مجتہد فقیہ کو سمجھتا ہوں جس نے قرآن وحدیث دونوں کی مراد سمجھ کر شیخ علم الٰہی اور وراثت دولت فضل نامتناہی سے اچھا حصہ پایا ہے کہ آج تمام محدثین واہل سیر و خبر کا مقتدا بنا ہوا ہے جس کی ایک اعلیٰ تصویر و باعزت وشان صورت ہمارے اس دربار میں سب سے پہلے روز تقریر کرنے والی اور حضرت علم کے اس شاندار جلسہ کا افتتاح فرمانے والی ہے جس کو علم وکمال فضل و بزرگی، مرتبت و عزت سراج الائمہ سید الائمہ کے لقب سے یاد کیا کرتے ہیں۔ اہل معنوم حدیث دانی اور حدیث فہمی اور عمل بالحدیث وہ ہی ہے۔ جو حضرات ائمہ نے کیا اچھا استخراج فرمایا۔ علم حدیث کے قواعد واصول دیکھنے اور فن حدیث کے اقسام و شرائط پر نگاہ ڈالنے سے یہ مسئلہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا کہ فن حدیث کی جلالت شان عامی دماغوں سے بہت اونچی ہے۔ اور اس فن کا پایہ بہت بلند ہے۔

اس بیان کے بعد میں کچھ ضروری باتیں عرض کرتا ہوں۔ جو حضرات حاضرین دربار کی وساطت سے عوام میں پھیل کر اور دربار سے نکل کر یقیناً مفید ہوں گی۔ اور جب تک دربار میں رہیں گی۔ میرے اکابر سے مجھے داد تحقیق دلواتی رہیں گی۔

پہلے میں حدیث کے معنی بتاتا ہوں اور اس کی تعریف کی توضیح کئے دیتا ہوں پھر دیگر مضامین متعلق اقسام وانواع حدیث پر گفتگو کروں گا۔

حدیث قول و فعل و تقریر حضور سرور عالم کو کہتے ہیں۔ اس تعریف حدیث میں ایک لفظ مجمل ومبہم وغیر واضح المراد تقریر ہے۔ اس کا مفہوم یوں سمجھایا جاتا ہے۔ کہ مثلاً کسی شخص نے حضور کے سامنے کوئی کام کیا۔ یا کوئی بات کہی، اور حضور نے اس پر مطلع ہو کر انکار و ممانعت سے کام نہ لیا۔ اسی کو تقریر کہتے ہیں اور

یہ بھی داخل حدیث ہے۔ بعض اہل فن کے نزدیک قول و فعل و تقریر صحابہ کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ جو حدیث حضور سرکار عالم تک پہنچے یعنی حضور نے یہ فرمایا یا کیا اُس کو حدیث مرفوع کہتے ہیں اور جو صحابہ تک ختم ہو اُس کو موقوف کہتے ہیں۔ اور جو تابعین تک منتہی ہو اُس کو مقطوع کہتے ہیں

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ہے کہ مشہور یہ ہو رہا ہے کہ موقوف و مقطوع کو اثر کہا جاتا ہے نہ حدیث، چنانچہ ایسی جگہ یوں کہا جاتا ہے کہ آثار میں یہ وارد ہوا ہے ہاں بعض محدثین حدیث مرفوع پر بھی اثر کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ برابر کہا جاتا ہے کہ ادعیہ ماثورہ میں یوں وارد ہوا ہے۔ خبر و حدیث بھی ایک معنی پر مشتمل ہیں مگر بعض اہل تحقیق حدیث کو قول و فعل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین سے مخصوص کرتے ہیں اور خبر کو علی العموم سلاطین و بادشاہان دہر کیساتھ اور حالاتِ ماضیہ کے ساتھ منسوب و مستعمل سمجھتے ہیں۔

"حضرات اب میں ایک بسیط تقریر میں تقسیمی و تفریقی کلام کر کے اکثر مسائل ضروریہ و مضامین لازمۃ العلم کی وضاحت کئے دیتا ہوں۔ یہ تقریر حفظ و ضبط کے بعد علم حدیث کے طلبہ کو ایک مستعد معلم کا کام دے گی۔ اور بہتر رہنمائی سے اچھے اچھے مقامات و منازل کے عمدہ عمدہ مناظر پیش نظر کرے گی۔

اصطلاح فن میں سند حدیث کے طریق روایت کو کہتے ہیں اور حدیث کو متن۔ اگر سند میں سے کوئی راوی ساقط نہ ہو تو سند متصل ہے ورنہ منقطع یعنے جب کہ درمیان سے ایک راوی یا زائد ساقط ہوں اب اگر اوائل سند سے سقوط راوی ہے تو حدیث معلق ہے یہاں ایک خاص بات بھی سن لیجئے۔ اکثر محدثین و مصنفین کی عادت ہے کہ کل سند کو حذف کر دیتے ہیں۔ امام بخاری کے تراجم میں ایسا اکثر ہوتا ہے۔ لیکن ان کے معلقات میرے خیال میں حکم اتصال

میں ہیں ہاں سند کے مرتبہ سے کم ایک فرق یہ ہے کہ وہ جسے صیغہ تمریض سے بیان کریں۔ اُس کی صحت میں کلام ہے۔ لیکن اس کی اصل ضرور صحیح ہے۔ اور جس کا بیان صیغہ جزم سے ہو وہ قطعی یہ صحیح ہے۔

ہاں یہ تو ایک بات بیچ میں آگئی۔ کہنا یہ تھا کہ اگر سقوط آخر سند میں چند تابعین کے ہو تو وہ مرسل ہے۔ جیسے تابعی کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حکم مرسل میں حضرات محدثین کے درمیان اختلاف ہے۔ جس کا مختصر تذکرہ بے محل و بے معنی نہ ہوگا کیونکہ یہ مجلس دربار علم ہے اور حضرت علم کے معزز مہمان ہر طرح ایسے تذکروں اور ایسے نکتوں کے اہل ہیں۔

جمہور کے نزدیک مرسل پر توقف چاہیئے۔ کیونکہ کیا معلوم کہ راوی ساقط کیسا ہے۔

حضرت امام اعظم و امام مالک (خدا دونوں پر رحمت کرے) اُن میں سے ایک تو یہیں تشریف فرما ہیں اور صدر مجلس حضرت علم بنے ہوئے ہیں۔ مجھے جو آپ کا خیال معلوم ہوا ہے اور تحقیق سے میں نے جو آپ کا مسلک اخذ کیا ہے یہ ہے کہ آپ دونوں حضرات کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب ارسال کرنے والا ثقہ ہے تو ضرور پورے اعتماد پر ارسال کرے گا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ کہ اگر مرسل کا کوئی اور معاضد ہو تو مقبول ہے۔ ورنہ نہیں۔

امام احمد سے قبول و عدم قبول دونوں مروی ہیں۔ لیکن ہمارے بزرگ اسلاف و عالی درجات حضرات کے یہ سب اختلاف اس پر مبنی ہیں۔ کہ ارسال کرنے والوں کی عادت ارسال من الثقات ہو اور اگر عادت ارسال عن

غیر الثقات ہو تو اتفاقاً غیر مقبول ہے۔

حضرات! اگر سقوط درمیان سے ہو اور دو راوی ساقط ہوں۔ تو حدیث **معضل** ہے۔ لیکن اس میں ایک ہی جگہ سے سقوط شرط ہے۔ اور اگر درمیان سے ایک کا سقوط ہو جب بھی معضل ہے۔ اور جو راوی دو جگہ ساقط ہوں تو منقطع ہے اور یہ منقطع غیر متصل کی قسم ہے کبھی مطلقاً غیر متصل کو منقطع کہتے ہیں۔

صاحبو! یہ بات ظاہر ہے کہ انقطاع یا سقوط عدم ملاقات سے معلوم ہوتا ہے۔ یا تو دونوں معاصر نہ ہوں یا کبھی وہ جمع نہ ہوئے ہوں یا حدیث نزلی ہو۔ اور ان باتوں کا علم فن تاریخ کی طرف مائل و متوجہ کرتا ہے۔ جس کے سبب راویوں کی ولادت وفات اوقات طلب و تحصیل و سفر وغیرہ وغیرہ کا پتہ ملتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرات محدثین کے نزدیک علم تاریخ اصل ہے اور ہر محقق محدث کو ضروری ہے کہ فن تاریخ کا حفظ و ضبط و مطالعہ رکھے اور اس علم شریف کو حدیث جیسے اہم و اقدم علم کا محرم و دلیل سمجھے۔

حضرات! ہمارے وہ حضرات محدثین کرام جن کے دم کی برکتوں اور ان کے پاک انفاس کی مبارک گھڑیوں نے علم حدیث کو پھیلایا اور خدمت فرمان حضرت رسول اکرم پر انکو مائل کیا۔ اور ایک جہاں کو حقیقی علم ہدایت اور حسن ازلی تعلیمات سے آگاہ و مطلع کیا ایسے محدث نہ بنے تھے اور اس طرح محقق و خانہ ساز متبحر نہ بن بیٹھے تھے کہ صرف الفاظ و ترجمہ حدیث پر ان کی نظر ہوتی۔ بلکہ وہ ایسے لوگ تھے۔ کہ ایک ایک حدیث کو متعدد شیوخ و اساتذہ سے لیتے تھے۔ اس کی تصحیح و تحقیق کے لئے منزلوں پا پیادہ سفر کرتے اس کے سلسلہ سمع و خبر کو اس طرح صاف ظاہر کر لیتے کہ ہر راوی کا ہر حال ابتدائی و وسطی و انتہائی ان کے سامنے آئینہ ہو جاتا

اور تمام ذرائع تحصیل و تکمیل اور اوقات حصول و وصول و حالات ضبط و حفظ و قوت و
فطانت و بلادت عدل و تفقہ صدق و امانت و دیانت پر کافی سے زیادہ اطلاع پالیتے
اُس کے بعد اُس حدیث کو تلامذہ و مستفیضین تک پہنچاتے اور یوں حدیث نبی
کریم کو ہر ظاہری منظنہ عیب ریب سے پاک کر کر جمع و تدوین اخذ و درس و تعلیم
کے ہاتھوں پر رکھتے۔ بیشک انہیں مقدس نفوس کی جانفشانی نے ہمیں اس
دولت سے مالا مال کر دیا اور ہم تک اس امانت نبوی کو پہنچا دیا۔ خیر یہ مضمون تو بیچ
میں آگیا اصل میں علم تاریخ کی ضرورت بتا کر مجھے منقطع کی دوسری قسم بیان کرنا تھی
جس کو اب سنیئے اور میری تقریر پریشان کو معافی کا پروانہ بخشئے۔ کیونکہ آج میں
اس دربار میں بزمرہ انتخاب مقربین آکر اور اپنے اسلاف کے سامنے حاضر ہوکر
عجب پرکیف و باشرف بیخودی و بہجت و مسرت میں ڈوبا ہوا ہوں۔ ہاں تو سنیئے
منقطع کی ایک قسم مدلس ہے وہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کو چھوڑ کر شیخ اعلیٰ سے روایت
کرے لیکن ایسے لفظوں میں جن سے اتصال کا وہم ہوتا ہو جیسے عن فلاں قال
فلاں اُس کے قبول میں بھی اختلاف ہے۔

یہ مضمون واضح رہے کہ جس شخص سے تدلیس ثابت ہو اُس کا حکم یہ ہے کہ
اُس کی حدیث جب تک کہ وہ تصریح حدثنا کی نہ کرے نامقبول ہے۔

شمنی ؒ فرماتے ہیں تدلیس حرام ہے آئمہ کے نزدیک۔

وکیع ؒ فرماتے ہیں تدلیس (عیب چھپانا) کپڑے میں بھی جائز نہیں چہ جائیکہ
حدیث میں۔

شعبہ ؒ اس کی برائی میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ صاحبو! مدلس کی روایت
میں علماء کو اختلاف ہے۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ تدلیس جرح ہے۔ مدلس کی
روایت مطلقاً نامقبول ایک فریق کا خیال ہے کہ مطلقاً مقبول۔ جمہور کا مذہب ہے

کہ جو مدلس صرف ثقات سے تدلیس کرتے ہیں اُن کی حدیث مقبول ہے اور جو غیر ثقات سے تدلیس کرتے ہیں اُن کی حدیث مطلقاً غیر مقبول جب تک کہ وہ حدثنا یا اخبرنا نہ کہیں۔

تدلیس کا سبب کبھی فاسد ہوتا ہے جیسے کوئی شیخ کے صغیر سن ہونے یا عدم شہرت و جاہ کے سبب اس کی شاگردی چھپائے۔ اور کبھی سبب تدلیس حسن ہوتا ہے۔ جیسے وثوق صحت حدیث ایسا اکثر ورع میں آیا ہے۔

شمنی کہتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ راوی نے بہت سے ثقہ لوگوں سے حدیث سنی ایک سند میں ایک کا ذکر کر کے باقی سندوں میں تدلیس کر دی کیونکہ اُس نے اُسی ایک کا ذکر کافی سمجھا جیسے تابعی ارسال کرتا ہے۔

اگر دو راوی سند یا متن میں اختلاف کریں اور یہ اختلاف تقدیم تاخیر زیادتی نقصان میں ہو یا بجائے ایک راوی کے دوسرا راوی ہو یا بجائے متن دوسرا متن ہو یا سند کے ناموں میں یا اجزائے متن میں تصحیف کریں یا اختصار و حذف میں اختلاف ہو تو حدیث مضطرب ہے اب اگر جمع ممکن ہو تو حدیث مقبول ورنہ توقف لازم۔

اگر راوی اپنا یا کسی تابعی یا صحابی کا کلام کسی غرض سے جیسے بیان لغت یا تفسیر معنی یا تقیید مطلق کے لئے داخل کر دے تو حدیث مدرج ہے۔

معزز حضرات آپ لوگ خوب واقف ہیں کہ یہ بحث نقل بالمعنی تک پہنچی ہے۔ اور چونکہ اس کی توضیح بے موقعہ نہ ہوگی۔ لہذا مختصراً صرف یہ گذارش نقل بالمعنی کے متعلق آپ ہی حضرات میں سے بعض تو یہ فرماتے ہیں کہ جو علم بیان کا ماہر ہے۔ اور اُس کے بیان میں زیادتی و نقصان کا احتمال نہیں اُس کو نقل بالمعنی جائز ہے۔

بعض فرماتے ہیں نقل بالمعنی صرف مفردات میں جائز ہے۔

بعض کا خیال ہے جس کو الفاظ مستحضر ہیں۔ اور اُس میں تعرف صحیح کی قدرت ہے اس کو جائز ہے۔

بعض نے کہا ہے معنی حدیث یاد ہوں۔ مگر الفاظ بھول گیا ہو۔ اُس کے لیے بضرورت جائز ہے۔ لیکن جس کو الفاظ یاد ہوں اُس کے لئے جائز نہیں۔ بالاتفاق اولیٰ یہی ہے کہ نقل بالالفاظ کی جائے۔ یہ آپ ہی حضرات کے مختلف اقوال تھے۔ جن کو آپ ہی اراکین دربار حضرت علم کے سامنے عرض کر کے میں اپنی تحقیقی گذارش سے سبکدوشی حاصل کر چکا۔ جو حدیث بلفظ عن مروی ہو معنعن ہے عنعنہ کے لئے بخاری کے نزدیک لقا شرط ہے مسلم کے نزدیک معاصرۃ کافی ہے۔ بعض کے نزدیک ثبوت روایت ضروری ہے۔

روایت ثقات کے مخالف حدیث شاذ ہے اگر اُس کے راوی غیر ثقہ ہیں۔ تو مردود ہے اور اگر ثقہ ہیں تو وجود ترجیح سے راجح کا نام محفوظ اور مرجوح کا نام شاذ ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ شاذ روایت ثقہ ہے جس کے موافق کوئی اصل نہ ہو۔ بلکہ بعض تو روایت ثقہ بھی شرط نہیں سمجھتے۔ اسی طرح منکر وہ جو مطعون کی روایت ہو۔ معلل جس میں کوئی علت ارسال وغیرہ ہو۔

صاحبو! اصطلاح فن میں اگر ایک روایت کے موافق دوسری روایت ملے تو اُسکو متابع کہتے ہیں بشرطیکہ صحابی ایک ہو اور اگر صحابی دو ہیں تو شاہد کہیں گے۔

یہ بات بھی قابل ضبط ہے کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں صحیح لذاتہ روایت عدل تام الضبط غیر معلل وغیر شاذ اگر یہ صفات بوجہ کمال ہوں۔ اور اگر کچھ نقصان ہو لیکن کثرت طرق سے پورا ہو گیا ہو تو صحیح لغیرہ ورنہ حسن لذاتہ اور جس میں شرائط صحیح نہ پائے جاتے ہوں وہ ضعیف لیکن کثرت طرق سے حسن لغیرہ

بھی ہو جاتی ہے۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اپنی تحقیق سے یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ حسن لذاتہ میں نقصان صرف ضبط میں ہونا چاہیئے اور کسی صفت میں نہ ہو۔ یہاں دو ایک ضروری اصطلاحوں کی تفصیل و تشریح ضروری ہے سنیئے عدل ایک ملکہ ہے جو مروت اور تقوے کو لازم کر دیتا ہے۔ تقوے کے معنے شرک فسق بدعت و اصرار صغیرہ سے بچنا ہیں اور مروت حرکات دنیہ و عامیانہ (جیسے سڑک پر کھانا وغیرہ یا پیشاب کرنا) سے بچنے کا نام ہے۔ روایت کا عدل حر و عبد کو عام ہے۔

ضبط حفظ مسموع کو کہتے ہیں۔ کہ ہر وقت یاد رکھ سکے اس کی دو قسمیں ہیں ضبط صدر و ضبط کتاب اہل خبر حضرات جانتے ہیں۔ کہ اس فن اور اس بحث میں نازک اور اہم مسئلہ عدل و عدالت کا ہے۔ ہاں اس مسئلہ پر گویا بہت سے امور ضروریہ لازمۂ احادیث و اخبار کا دار و مدار ہے۔ لہذا یہ بتا دینا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ عدالت پر پانچ قسم سے طعن ہوتی ہے۔ اول کذب ہے۔ دوسرے اتہام ہے۔ تیسرے فسق ہے۔ چوتھے جہالت ہے۔ پانچویں بدعت ہے۔

کذب یہ ہے کہ اس کے اقرار یا قرائن سے کذب ثابت ہو ایسی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ فن حدیث حضور آقائے عالم روحی لہ الفدا کے نقل اقوال و احکام و آثار کی خبر دیتا ہے۔ لہذا ایسے اہم کام میں جس قدر بھی احتیاط ہو کم ہے اسی واسطے جس سے ایک بار بھی قصداً وضع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ توبہ کرے۔ لیکن تمام عمر اس کی حدیث مقبول نہیں بخلاف شاہد زور کے۔

اراکین دربار کو علم ہے کہ وضع کا حکم ظن غالب سے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یقین کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اسی لئے مقر بالکذب پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ شاید

وہ اس اقرار میں بھی کاذب ہو کیونکہ اُس کا صدق اس واقعہ خاصہ میں ظن غالب
سے ثابت ہُوا جیسے قتل و زنا کے اقرار میں۔

اتہام بالکذب یہ ہے کہ اگرچہ خاص حدیث میں اُس کا کذب ثابت نہ ہوا
ہو لیکن وہ معروف بالکذب ہو۔ اور اس کی روایتوں میں کوئی روایت قواعد شرعیہ
ضروریہ کے خلاف ہو۔ اس روایت کو متروک کہتے ہیں اور یہ شخص متروک
الحدیث ہے۔ لیکن توبہ کے بعد اور نشانہائے صدق کے ظاہر ہو لینے پر
اس کی حدیث مقبول ہوگی۔

فسق سے مراد فسق فی العمل ہے اور فسق فی الاعتقاد بدعت ہے بدعت
کی اس تعریف کے بعد وہ تمام واہی شبہات و بے معنی خیالات مٹ جاتے ہیں
جو ہر جدید ثابت الاصل کو بھی بدعت نام رکھتے ہیں اور جو بات صریح طور پر ذات
رسول کریم سے ہمیں نہ پہنچے۔ اُس کو بر اتباع ضلالت ٹھہرا دیتے ہیں اگرچہ حجج
شرعیہ و قواعد و اصول دینیہ اُس کو ثابت کر رہے ہوں۔ ہزار نیک کام اور لاکھوں
وہ بہتر طرز و طریقے عبادت و نیکوکاری کے وقت و زمانہ و حالات کے اعتبار
سے نکلتے ہیں۔ جو اگلے زمانہ میں نہ تھے نہ برتے گئے مگر اُن کی اصل کی شرافت
و بہتری اور اُن کا خیر و نیک ہونا برابر آج تک اُن کو مروج و مقبول و معمول
اہل حق کر رہا ہے جیسے طریقۂ ذکر الہٰی اور مجلس ذکر حضور رسالت مآب یا دیگر
صدقات و ایصال ثواب و نذور و زیارات و تبرک صالحین وغیرہ سے برکات و
امداد و اعانت حاصل کرنے کے طریقے یا فیض معرفت کے اخذ و اعطا کے جائز
و مستحسن طور یہ سب امور اپنے مقام پر ثابت اگرچہ اس کا طرز عمل و صورت ظاہرہ
عوام کو حسب دید معلوم ہو اور اگر ایسی ہو بھی تو بھی الحمد للہ بہتر و نیک۔

اسی طرح وہ امور جدیدہ جو خلاف اصول شرعیہ اور قواعد اعتقادیہ دینیہ

ہوں نامقبول و غیر مسلم رہیں گے ۔ اگرچہ کوئی نکالے کوئی کیسے کہیں تک سلسلہ پہنچائے
کتنا ہی زور طبیعت دکھائے جیسے انکار عظمت و محبت سرکار عالم کے نمونے
اور گستاخی دربار محبوب خدا کے آثار جو کبھی انکار توسل و استمداد کے پردہ میں ہویدا
کبھی شد رحال کے خام خیال سے آشکار کبھی وسوسۂ شیطانی سے ترقی کر کے اولیا و
صحابہ بلکہ خود سید الانام سے برابری و ہمسری و تساوی و مثلیت بشریت کے فاسد
و گمراہ کن و غارتگر خیال میں نمودار یا حضور کے دیگر فضائل سے صراحۃً اشارۃً انکار
یا حضرات صحابہ و تابعین و آئمہ دین کے آثار سے اعراض یا تقلید و تسلیم مسلک اہل
حق سے علیحدگی اور محض اتباع نفس و ہوا کے ساتھ فریب دعوائے عمل بالقران
و بالحدیث وغیرہ وغیرہ غرضیکہ یہ تمام امور فسق فی الاعتقاد ہیں اور صریحی بدعت عام
اس سے کہ نجد کے اونچے اونچے پہاڑوں سے آئے ہوں یا ہمارے ہی وطن
کی پست زمین کے تنگ خیالوں سے وہریت و آزادی آمیز دولے ہوں۔

حضرات! میں اسی ضمن میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ میں نے جس
دن سے ہوش سنبھالا اور خداوند عالم نے مجھے فہم و ادراک کی قوتیں عطا فرمائیں
ہر کمال کا مبدا اور ہر فضل کا منتہا حضور مظہر ذات الٰہی کو سمجھا اور یقین کر لیا کہ اسی
ذات مقدس کی نسبت کامل ہو کر اور ان سے تعلق غلامی مستحکم و صحیح ٹھہر کر بحکم الٰہی
کی علو منزلت تک پہنچتا ہے اور اسی ذات سے دوری علیحدگی ورگ اسفل نار
میں گراتی ہے۔ یہ خیال لازم ایمان ہے ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔ مگر بعض ناسمجھ
محروم بدقسمت وسوسۂ شیطانی میں پھنسکر اس خیال کو رفتہ رفتہ ضعیف
بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھر کھلی بیدینی ظاہر ہونے لگتی ہے میرا دعویٰ ہے
اور میرا یقین اور ایمان ہے کہ تمام خرابیوں گمراہیوں بدمذہبیوں کا مادہ
گستاخی دربار رسالت اور حضور کی بارگاہ عزت کا ادب واقعی ترک کرنا ہے اس

ہے انسان اولیا صلحا شہدا سے گزر کر انبیا کی برابری کرتا ہے بلکہ حضرت رب جل شانہٗ کی جناب میں بھی عیب نکالنے اُسے بھی اپنا سا بنانے اُس کو اپنا تابع کر لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ اپنے کو موحدِ عالم، کامل حدیث واقف فنون سمجھتا ہے ماحی بدعت و دافع شرک اپنے وجود کو خیال کرتا ہے مگر یہ شیطانی مدرجہ اس کو ترک ادب دربار نبوت و گستاخی بارگاہ رسالت سے پہنچ رہی ہے اُس کو دارین کا اندھا بنا دیتی ہے۔

میں اپنے بزرگ و عالی درجات حضرات سے اس وقت اپنی مختصر حالت عرض کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس خیال نے کہ شاید قلب میں عجب آ جائے اور قدیمی دشمن کچھ وسوسہ پیدا کر دے یا کسی بھائی کا خیال میری تقریر سے میری طرف سے ایسا ہو جائے۔ کہ میں خود ستائشی کر رہا ہوں تو بھی بُرا لہذا اُس سے گریز کر کے اتنا عرض کر کے اپنی تقریر پر آتا ہوں۔ بزرگ حضرات! میں نے آپ کی دعاؤں کی برکت سے اپنی علمی کوئی یادگار دنیا میں چھوڑی تو خدا کا شکر ہے کہ وہ حدیث و سیر کا ذخیرہ۔ میں نے عملی زندگی جس طرح گذاری تو وہ فضل خدا سے بلحاظ محبت و ادب محبوب حضرت عزت کے نگاہوں میں ہائے یہ میں کیا کہہ گیا کیا دعویٰ کر گیا الٰہی ربی اس کو قیامت کے دن بھی تو اپنی رحمت سے صحیح کر دکھائیو اور حسب فرمان حبیب اکرم المرء مع من احب میری بندگی کا مجھے مزہ دیجیو طاہر کی آنکھیں محض مجلدات دیکھ کر ضخیم کتابوں کی ورق گردانی کر کر اس ذوق و لطف کو نہیں پا سکتیں جو اہل درد و عشق کا لازوال علم اور خدائی کمال و فضل ہے اس میں ضرورت کہ خاص قلبی لگاؤ اور دلی علاقہ ہر آن مدنی محبوب سے اکتساب انوار و فیض کرے۔ اور دل مضغہ گوشت نہ رہے۔ بلکہ عرش تجلیات ہو جائے۔

میں اس مقام پر حضرت مظہر حسن نبوت حامل و قاسم فیض حقیقت فرزند

نبی و علی پیران پیر دستگیر محی الدین عبد القادر جیلانی و بغدادی کا کمال منت سے شکریہ ادا کروں گا کہ مجھے جو توفیق و صلاحیت ملی اُن کے فیض سے میرا قلبی نظام جس قدر اصلاح پذیر ہو گیا۔ اُن کے کرم سے وہ سرکار اس وقت جلسہ دربار میں بھی عزت بخش ہیں اور مجھ پر غلام نوازی کی تجلیاں ڈال رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہمیشہ یونہی کرم گستر رہ کر مجھے اپنے جد کا عبد ذلیل و تابع بنائے رکھیں گے۔

گرامی قدر حضرات میں اپنا سلسلہ بیان بھولا نہیں ہوں تعریف بدعت و فسق فی الاعتقاد کی تشریح کرتے ہوئے مجھے جو ضروری مضامین یاد آ گئے عرض کر گیا۔ کہ جس میں میں مجبور تھا۔ کہ میرا دل مجھ سے دلی حالت کھلوا رہا تھا اور میری زبان ہلتی تھی۔ اس سے زائد یہ کہ بزرگان دربار علم کی نوازشیں مجھے اُبھار کر میرا دلی جذبہ ٹٹول رہی تھیں۔ بس ہاں سنئیے میں نے اقسام طعن عدالت کی تیسری وجہ فسق کا ذکر کر دیا تھا جس میں وہ بحثیں آ گئیں۔ جس کے سبب میں دور نکل گیا۔ پھر اصل تقریر سنئیے۔

بعد فسق فی العمل کے جہالت و مجہولیت راوی بھی وجہ طعن ہے کیونکہ جب اُس کا نام اور ذات معلوم نہیں تو کیا معلوم کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ جیسے کوئی کہے اخبرنی رجل یا شیخ یہ غیر مقبول ہے مگر صحابی ہو تو مقبول کیونکہ وہ سب ثقہ ہیں۔ اور اگر یہ لفظ کہے جائیں اخبرنی عدل او ثقۃ اس میں اختلاف ہے صحیح یہ کہ غیر مقبول ہے کیونکہ جائز ہے کہ عدل فی الاعتقاد ہو۔

مبتدع کی حدیث مردود عند الجمہور ہے۔ بدعت کے معنے ہم بتا چکے نئی بات خلاف اعتقاد مشہور و ثابت الاصل فی الدین۔

بعض فرماتے ہیں اگر مبتدع صادق القول مشہور ہو تو اس کی حدیث مقبول اگر امر ثابت فی الشرع اور متواتر کا منکر ہو اُس کی تو مردود اور جو ایسا نہ ہو تو مقبول

ہے۔ قول فیصل بعض نے یہ کیا ہے کہ اگر وہ بدعتوں کی طرف داعی اور اُن کی اشاعت وترویج میں ساعی ہے تو مردود اور یہ بھی نظر رکھنی چاہئے کہ وہ روایت کسی پہلو یا ہم بدعت نہ کر رہی ہو کیونکہ متبدعین تقویت بدعت کے لئے اکثر حدیثیں گڑھ لیا کرتے ہیں لہذا بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضرات! بعض گروہ متبدعین نے تو اس رجب جسارت سے کام لیا۔ کر اپنی من مانتی حدیثیں بنا بنا کر فرضی روایتیں تصنیف کرکے غلط سند ملا کے مکمل کتابیں اور مفصل اسفار و مجلدات اعمال و احکام و اعتقادیات پر مشتمل بناڈالے ان تصنیفوں ایسی تالیفوں پر نظر کرنے سے ہر ذی عقل الفاظ کے ابتذال معانی و مضمون کی کدرت طرز بیان و طریقہ ادا کے تکلف و تصنع سے سمجھ لے گا۔ کہ ان کا اکثر بلکہ کل کا کل سرمایہ شخصی خوش مذاقی کا ذخیرہ اور طبعی خواہشوں کا نتیجہ ہے۔ جس میں مذہب کی آڑ اور علم کے نقاب و حجاب میں موضوعات و سراسر کذب و افتراء سے حضور سرور عالم و صحابہ و تابعین و آئمہ کے اقوال و احکام بدنام کئے گئے ہیں ایسے حماقتوں میں متبعین بیو پیروان عبد اللہ بن سبا گستاخان دربار حضرت صحابہ کا دیدہ ہمیشہ دلیری سے وار ہا ہے۔ اور ایسی افتراپردازیوں میں عراق و نواح ایران وغیرہ کے بعض شہروں میں ان کا بہت کچھ شہرہ رہا ہے۔ اس گروہ کے علاوہ اور جتنے گروہ تفصیلے اہل بدع کے ملیں گے سب کی ثقاہت روایت مخدوش اُن میں سے اکثر کا تقوی مطعون اور اس امر کے عادی کہ اپنی بدعت کے لئے نقل و روایت میں عمداً تصرف و تغیر زیادتی و نقصان کر ڈالیں۔ یہ ہمیشہ سے اہل بدع کا طریقہ ہے بحرفوت الکلم عن مواضعہ سے ان کا علاقہ و پتہ ملتا ہے۔

حضرات! آپ وجوہ طعن عدالت اور اس کے اقسام تو سن چکے۔ اب مجھے یہ عرض کردینا ہے کہ ضبط میں بھی طعن کی پانچ قسمیں ہیں۔ فرط غفلت۔ کثرۃ غلطی

مخالفت۔ ثقات۔ وہم۔ سوءحفظ" فرط غفلت اور کثرت غلط قریب ہی قریب ہیں غفلت سماع اور حدیث لینے میں ہے اور غلط اس کی اداء و اسماع میں۔

صاحبو یہ علم بہت ادق ہے اس کی اطلاع و خبر اسی کو ہوتی ہے۔ جس کو خدا نے حفظ وسیع اور مراتب رواۃ و احوال اسانید و متون کا پورا پورا علم عطا فرمایا ہے۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ فن دارقطنی پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد کوئی اس کا جلیل ماہر سننے میں نہ آیا اور عام طور پر مسلم و مشہور نہ ہوا ممکن ہے گذرا ہو۔ باقی رہی پانچویں قسم طعن فی الضبط سوءحفظ وہ یہ ہے کہ اصابت خطا پر غالب ہو خواہ اس کے مساوی ہو یا اس سے کم۔ اگر سوءحفظ لازمی ہے تو اس کی حدیث غیر مقبول اور اگر عارض ہے تو اور اس علت سے قبل کی حدیثیں بعد والی سے متمیز ہیں تو قبل والی مقبول اور اگر غیر متمیز ہیں تو توقف لازم۔ ان احادیث کو مختلط کہتے ہیں۔ اگر متابعات و شواہد سے مختلط کی قسم غیر متمیز کو مدد مل جائے۔ تو مقبول ہو جائے گی۔ یہی حکم مستعد اور مدلس و مرسل کا ہے۔

حضرات ہمارے اہل فن کی مقررہ اصطلاح یہ ہے کہ جس حدیث صحیح کا راوی ایک ہو اس کو غریب کہتے ہیں اور دو راویوں والی صحیح کو عزیز اور زیادہ ہوں تو مشہور اور اگر اس درجہ تک عدد راویاں پہنچ رہا ہو کہ عقل ان کا اتفاق علی الکذب الباطل محال سمجھے تو وہ حدیث متواتر ہے۔ حدیث ضعیف وہ ہے جس میں شرائط معتبرہ صحت وحسن بالکل نہ پائے جائیں یا کم ہوں اب مجھے تقسیمی تقریر ختم یا کم کر کے یہ عرض کر دینا بھی ہے کہ گرامی مرتبہ حضرت امام بخاری کی صحیح کا رتبہ بشرف و قوت و صحت اول درجہ میں مانا گیا ہے اس مجلس و دربار میں حضرت علم اور ان کے معزز و عالی قدر مہمانوں طبقہ فضلاء اکابر عظمائے محدثین و متکلمین و مفسرین کے سامنے حضرت امام بخاری کو یقیناً مسرت و افتخار کے ساتھ اظہار شکریہ کا ذریعہ ہو قد

ملے گا کہ وہ اپنی سعی و جستجو خلوص کو بطفیل فضل سرکار عالم مقبول علماء و فضلائے پارہے ہیں۔

امام بخاری کی صحیح کے بعد صحیح امام مسلم کا رتبہ رکھا گیا ہے۔ لیکن اہل مغرب حضرت امام مسلم کی صحیح کو رتبہ اولیٰ دے رہے ہیں اور اسی کا شرف تسلیم کر رہے ہیں مگر فیصلہ یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حسن بیان و جودۃ وضع و ترتیب اور محاسن نکات اسانید کا عنصر زبردست ہے اور صحیح امام بخاری میں صحت و قوت کا رتبہ کمال پر رکھا گیا ہے۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ احادیث صحیحہ بخاری و مسلم میں منحصر سمجھ لی جائیں اور دونوں کو جملہ احادیث صحیحہ کا حامل سمجھ کر یہ خیال کر لیا جائے۔ کہ جو اس میں نہیں، وہ صحیح نہیں۔ یہ خیال غلط اور سخت ناواقفیت کا ہے اکثر جہال ناواقف اس میں پڑ کر شان علم کو بدنام کیا کرتے ہیں اور بعض تو یہ مضحکہ آمیز گفتگو کرتے ہیں کہ سند میں کسی دعوے کی دلیل میں کسی امر کے ثبوت میں جو حدیث پیش ہو وہ بخاری و مسلم کی ہو تو مقبول ورنہ نہیں۔ استغفر اللہ اس جہات سے گویا فرمان سرکار سے اعراض کیا گیا اور حدیث نبوی کی تسلیم سے انکار رہا۔

امام بخاری و مسلم نے اصل تو یہ ہے کہ کمال خلوص و محنت سے یہ خدمت جمع و ترتیب حدیث انجام دی مگر حضرات اصولیین سے پوچھو امام عینی وغیرہ سے سنو تو معلوم ہوگا۔ محققین کی رائے معلوم کرو تو کھلے گا کہ بخاری جیسی صحیح میں کیا کیا قصور و کمی و سہو و گذاشت رہی اس کے معنی یہ نہیں کہ اس موجودہ مجلد صحیح پر حملہ کیا جائے یا ذات امام بخاری پر ناروا اور غلط نکتہ چینی و تنقید عمل میں لائی جائے۔ بلکہ علی الاکثر اس کی صحت تسلیم کرنے کے بعد بھی فوق کل ذی علم علیم کہ کر ان حضرات مجتہدین ماہرین اسرار حدیث کی طرف نظریں اٹھیں گی

جن کی ایک تحقیق حدیث ایک جزو کی نقل سند سے اعلیٰ و بالا ہے۔

بہر حال یہ چھ کتابیں مشہور ہیں۔ جو صحاح ستہ کہی جاتی ہیں۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم جامع۔ ترمذی۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ بعض کے نزدیک ابن ماجہ کی جگہ موطا ہے بعض کی رائے ہے چھٹی کتاب صحاح کی دارمی ہونی چاہیئے اس لئے کہ اس میں احادیث منکرہ شاذ و نادر ہیں اور اس کے رجال بہت کم ضعیف ہیں اور اس کی سندیں بہت بزرگ رتبہ ہیں اور اس کی ثلاثیات ثلاثیات بخاری سے اکثر ہیں۔ اس مجلس میں میرے بزرگ علامہ سیوطی بھی تشریف فرما ہوں گے ان کی رائے تو جمع الجوامع میں مجھے معلوم ہوئی ہے کہ پچاس سے زائد ایسی کتب حدیث ہیں جو مرتبہ ابن ماجہ و ابی داؤد میں یقیناً آ سکتی ہیں۔ دیباچہ مشکوٰۃ میں ایک جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں امام بخاری امام مسلم امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی دارقطنی بیہقی رزین وغیرہ وغیرہ ہیں۔

حضرات! میں اپنی تقریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں آپ آمین کہیں۔
یارب العالمین ہمیں اپنے حبیب پاک کے ارشادات و ہدایات پر عمل کی توفیق دے اور ان کے انوار علوم سے ہمارے سینوں کو روشن فرما۔ ان کا سچا خادم بنائے دارین میں انہیں کا رکھ۔ آمین الٰہ الحق آمین۔

دربار کا چھٹا دن

نہ جوش میں کمی ہے نہ شوق دھیما پڑا ہے۔ وہی ہم اور ہمارا جذبہ بلکہ ہر دن ایک نئی لذت انتظار ساتھ لاتا ہے۔ جو بڑھتے بڑھتے ایک مزہ دار آزار ہو جاتی ہے۔ ہر رات طرب افزا۔ امیدوں کی بر لانے والی۔ مگر ہر صبح پھر شام کے اشتیاق میں اندوہ ربا۔ یہ مسرت و غم بھی مزے کے ہیں۔ خوشی کس بات کی۔ حاضریٔ "دربار علم" کی رنج کس امر کا دن بھر اسی دربار سے محرومی کا۔ مگر سچ پوچھو تو دن بھر کا رنج اور اشتیاق و انتظار آنے والی ساعت کے لطف کو دوبالا کر جاتا ہے آہیں کھینچکر سر دھن کر۔ منتظر رہ کر۔ بیتاب ہو کر فریادی بنکر غم اٹھا کر جو نعمت ملتی ہے وہ کچھ مزہ ہی اور دے جاتی ہے۔ دن بھر اسی یاد میں گزرتا ہے۔ ہر ملنے والے دوست آشنا سے وہیں کا تذکرہ رہتا ہے۔ رات کو حضرت علم کے درباری جو مزے لوٹتے ہیں۔ دن بھر اس کے تذکرے میں بیخودانہ مصروفی سے اپنے اور دوسروں کے اوقات خوش سائنی سے گذار دیتے ہیں۔ اس شرکت سے قسمت کے محروم اور اس دولت سے تقدیر کے حسرت زدہ بنتے ہیں اور اپنی بدنصیبی پر افسوس کرتے ہیں۔ غرضکہ رات دن "حضرت علم" کے صدقہ میں ایک نئے انداز لطف خیزی میں بسر ہوتے ہیں۔

سورج نکلا شعاعیں بڑھ بڑھ کر پھیلنے لگیں صحن سنہری دھوپ چھاؤں سے جگمگا اٹھا سطح عالم پر نورانی سفیدی ہو گئی در و دیوار پر چشمہ ابھرنے طلائی پانی چڑھا دیا بند آنکھیں کھل گئیں سونے والے کب کے جاگ چکے۔ کارخانہ دنیا کا ہر اہلکار اپنے اپنے فرض منصبی و نوکری میں برسر کار ہے۔

مگر ایک ہم کہ اس سارے شور و شغف سے بیزار۔ دن کیا آیا ہم پر آفت سی آئی عروس شب کے انتظار میں جان پر بن گئی۔ صبح سے شام کی دعائیں ہیں گھنٹہ گھنٹہ گن گن کر کاٹ رہے ہیں۔ ساعت ساعت لمحہ لمحہ شمار ہو رہا ہے لحظہ لحظہ پر نگاہ پڑ رہی ہے۔ ظہر کا وقت کب آئے گا۔ عصر کب ہوگی آہ مغرب کے انتظار میں تو عجیب ہنگامۂ شورش قلب میں برپا ہے۔ سورج چھپے اجالا دھیما پڑے۔ دن ختم ہو رات شروع ہو تو وارفتگان دربار علم کی مرادیں پوری ہوں۔ اذانوں پر کان لگے ہوئے ہیں وہ مسجد میں تیاریاں ہوئیں۔ دکانداروں نے سامان سمیٹا۔ کاروبار والے وضو کی فکر میں ہوئے۔ مسجدوں میں مجمع ہو گیا۔ موذن نے اذاں پکار دی امام نے نماز پڑھا دی۔ شام ہو گئی مغرب کا فریضہ ادا کر لیا الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

دربار کی تیاریاں ہونے لگیں کچھ دیر گذار کر عشا سے فراغت پا لی۔ دیکھیے بجائے راستہ پر قدم ڈال دیئے چلے اور ذوق و شوق میں جھومتے جھامتے چلے۔ پہنچے اور تصویر شوق و مجسمۂ ذوق بنے پہنچے "دربار علم" کی آراستگی نکھار پر ہے جوبن پر جوبن اور بہار پر بہار ہے۔ مقدس نورانی ہستیاں تجلی بار علم و فضل ہیں۔ ہمہ تن دل اور سراپا اشتیاق جا فیں سامعین کا لقب پائے حاضر۔ ہر ایک اپنے اپنے مقام و موقع پر ادب آمیز و ولولہ انگیز حیثیت سے موجود۔ مجمع ہو گیا۔ آنے والوں کا انتظار ہو لیا "حضرت علم" اٹھے اور فرمایا۔

معزز حاضرین دربار! آج کے دربار میں ہیں ملک العلما بحر العلوم ابو العیاش مولانا عبد العلی اپنے فاضل محترم اور اپنے ہمت والے معین و محی و حامی کو پیش کرونگا اور آپ لوگوں کو متوجہ کروں گا۔ کہ آج اس فخر سلف اور سند خلف کی معلومات سے مستفیض ہوں۔ اور دیکھیں اور سمجھیں کہ سرزمین ہند میں بھی آخر دور تک میرے

کیسے کیسے حامل اسرار خدا کے فضل سے پیدا ہوئے۔ اس ذات میں کیا بلحاظ اس کی جامعیت کمال ظاہر و باطن کیا بلحاظ خدمت دین و مذہب کیا بلحاظ قلبی سوز و گداز معرفت و طریقت جس قدر فخر کروں بجا ہے۔

دیکھیے یہی وہ ذات ہے کہ جس نے مالک کمالات بنکر بھی ایک حرف خودی و انانیت زبان سے نہ نکالا علوم و فنون حکم و اسرار کے دریا بہا دئے۔ مگر یحی شان قلبیت و تواضع اور حقیقی شان علمائے حقانی کو پیش نگاہ رکھا۔

سلطان العلوم اور امیر الفنون ہو کر جس فقیرانہ ظاہر و باطن کی روش سے بسر کی وہ ظاہر ہے میری دعا ہے۔ کہ خدا ان کو میری طرف سے اور تمام اہل علم اور جمیع مسلمانوں کی طرف سے بہتر جزا دے آمین آمین۔

اب میں آپ لوگوں کو زائد تکلیف انتظار نہ دوں گا۔ بلکہ ملک العلما بحر العلوم سے جلد آپ لوگوں کا تعارف کرا کے اُن کی قیمتی معلومات سے آپ کو فائدہ پانے والا بناؤں گا۔ یہ کہہ کر حضرت علم نے حضرت بحر العلوم کو بلا کر صدر مقام پر بٹھا دیا۔ بحر العلوم کی سادی سج دھج نے زبان حال سے ان کی باطنی طرح داری کو پکار دیا۔ اُن کی نورانی صورت نے تصویر اخلاق و شمائل حسن خلق نبوی کا سراپا پیش کر دیا۔ آپ نے کچھ دیر سکوت کے بعد تقریر شروع فرمائی۔

تقریر حضرت خاتم المحققین علامہ بحر العلوم مولانا عبد العلی ابو العیاش لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرات! حاضرین دربار پانچ روز سے آپ لوگ بہتر سے بہتر مسائل و لطائف علمیہ سن رہے ہیں اکابر فضلاء اعلیٰ اعلیٰ مضامین کے بیان و تقریر سے

آپ لوگوں کو خوش وقت بنا رہے ہیں۔ حضرت صدر دربار جناب علم عم فیضہ کا دریائے فیض لہریں لیتا بڑھ رہا ہے بحر احکام و حکم اسلام موجیں مار رہا ہے غیر محدود خلقت مستفیضین سیراب ہو رہا ہے یہ بہاؤ یہ روانی ترقی خیز و موج افزا ہوتے ہوتے مجھ جیسے گمنام کو بھی ساحل شہرت و ناموری پر لے آئی حضرت صدر دربار کا کرم عام و فیض وسیع مجھے بھی رونمائی بزم جلالت و عظمت کر گیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا کہ میں بھی کچھ کہوں اور بحر فیض حضرت صدر دربار سے موتی نکالوں امتثالاً للامر اور امید حصول برکت میں لب کھولتا ہوں اور اپنے خیال میں وہی کہتا سناتا ہوں جو مجھ سے حضرت صدر صاحب نے کہا سنا ہے اس کہنے سننے میں اظہار و بیان ارکان اسلام پر تحقیقی و ضروری گذارش کروں گا۔ جو میرے لئے ہے حضرات مقربین سابقین و عظمائے دین دربار نے گویا چھوڑ رکھی تھی۔ وباللہ التوفیق

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہم اس کے ماننے والے بندے ہیں بیشک وہ ہمارا سچا معبود ہے اور ہم ہر حال میں ہر طرح اس کے محتاج ہیں وہ سچا اس کے فرمان سچے اس کے بھیجے ہوئے ہادی نبی و رسول علیہم السلام سچے اس کا فرمان اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ سچا اور بیشک سچا اس دین اسلام کے احکام سچے اس کے ارکان سچے ہم سچے دل سے کلمہ پڑھتے ہوئے زبان سے اقرار کرتے ہوئے توحید کی گواہی دیتے ہوئے رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے کہتے ہیں۔ اور بآواز بلند کہتے ہیں۔ اقرار کرتے ہیں اور عالم کو گواہ کر کے اقرار کرتے ہیں کہ ہم سچے دل سے سچی زبان سے اس خدا پر ایمان لائے۔ جس کی توحید جس کا جلال و عظمت سکھانے سمجھانے بتانے کو اس کے حبیب کریم عربی محمد مصطفےٰ نبی امی تہامی ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف لائے ارواحنا لہ الفداء ہم نے مانا اور جانا کہ ہم پر بعد تصدیق

اقرار توحید رسالت ارکان دین کی تعمیل اور اُن کی عملی تسلیم بھی ہمارا فرض منصبی اور ہم پر
لازم امر ہے جن کو نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ کہا جاتا ہے۔ یہ احکام و ارکان ہم پر
خدائی تعلیم سے ہمارے ہادی نے لازم کئے اور فرض بتائے اور ہر مکلف
پر اُن کی بجا آوری ضروری و شرط عبدیت ٹھہرائی اور صاف صاف فرما دیا۔ العھد
الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ من ترکھا فقد کفر اور دوسرے مقام پر فرمایا۔
من حافظ علیھا کانت لہ نوراً و برھاناً و نجاۃً یوم القیامۃ ومن لم یحافظ
علیھا لم یکن لہ نوراً ولا برھاناً ولا نجاۃً وکان یوم القیامۃ مع قارون وفرعون
وھامان وابی بن خلف۔

ترمذی نے عبد اللہ بن شقیق سے روایت کی ہے کہ اصحاب کرام رسول کریم اعمال
میں کسی کے ترک کو کفر نہ خیال کرتے سوا نماز کے۔ یہاں سے نماز کی جلالت شان
معلوم ہوتی ہے۔ اب ضرور ہے کہ نماز کے متعلق شرائط لازمہ و احکام ضروریہ
کی طرف بھی مجملاً کارآمد اشارہ کروں اور اسی ضمن میں دقیق و بسیط ابحاث
پر بھی تحقیقی و اذعانی و اطمینانی گفتگو کروں تا کہ بہت سے مطالب عام اور صاف
ہو کر اس دربار سے نگاہ گر حضرت صدر صاحب کے فیض سے ہزاروں بندگان خدا
کو مستفیض کر دیں۔ اس فریضہ اسلامی صلوٰۃ وینی کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔
اُن میں بڑی شرط بدن اور کپڑے اور مکان کا پاک ہونا پھر طہارت حدث اصغر سے
جس کو وضو کہا جاتا ہے۔ اس کے چار فرض ہیں۔ جس کی طرف کلام باری اشارہ فرما
رہا ہے واذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا
برؤسکم وارجلکم الی الکعبین پہلا فرض وضو میں منہ کا دھونا ہے یعنی جہاں پر پیشانی
ختم ہو وہاں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کے لدیوں کے درمیان کی
جگہ۔ یہاں یہ گذارش بھی مجھے کرنی ضرور ہے۔ کہ بعد اختلاف مفتی بہ قول یہ ہے کہ داڑھی

کا غسل بھی واجب ہے ہاں اگر داڑھی گنجان نہ ہو اور بشرہ صاف نظر آتا ہو تو بشرہ تک صرف پانی پہنچانا کافی ہوگا۔ بالوں کے تر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر داڑھی گنجان گھنی ہو تو ظاہر لحیہ (داڑھی) کا غسل بھی فرض کو وہ قائم مقام بشرہ ہے۔

دوسرا فرض دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ہے اور ہمارے مذہب مختار میں کہنیاں ہاتھوں کی دھونے میں داخل ہیں۔

تیسرا فرض سر کا مسح ہے۔ حضرت امام مالک کل سر کے مسح کو فرض بتاتے ہیں، حضرت امام شافعیؒ بعض سر کے مسح کی فرضیت کی طرف ہیں اور ہمارے ائمہ کرام حنفیہ اور امام احمد رحمہم اللہ ربع (چوتھائی) سر کو مسح کے لئے مفروض کہتے ہیں۔ اس مسئلہ میں جو طویل الاذیال ابحاث ہیں وہ اصول کی کتابوں میں عالی مرتبت فضلا جو حضرت علم عمم فیضہ کے خاص دربار ہی ہیں خوب خوب لکھ گئے ہیں۔ بہر حال حنفیہ کے یہاں چوتھائی سر کا مسح ہے۔

چوتھا فرض ٹخنوں تک دونوں پاؤں کا دھونا ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو میں دونوں پاؤں کا دھونا متواتر طور پر مروی ہے۔ اور ان راویوں میں حضرت سیدنا خاتم الخلفاء مشکلکشا مولا علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ وضو میں ہمیشہ سرکار نامدار دونوں پاؤں دھوتے اور کبھی سفر و حضر جاڑے گرمی میں حضور سے پاؤں کا بجائے غسل مسح مروی نہیں اور یہی عمل حضرات صحابہ کرام کا رہا ہے صحیح نسائی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہے فرمایا بلایا مجھ کو میرے باپ حضرت سیدنا علی نے وضو پس میں قریب ہوا۔ یہاں تک کہ فرمایا پس دھویا انہوں نے اپنا سیدھا پاؤں ٹخنوں تک پھر الٹا۔ اسی مقام پر ایک روایت سے یہ متوہم ہوتا کہ پاؤں پر مسح کرنا چاہئے۔ محض مغالطہ ہے اسلئے کہ جس روایت سے یہ مضمون ثابت کیا جاتا ہے اس سے ہرگز یہ امر ثبوت

تحقیق کو نہیں پہنچیا وہ روایت یہی تو ہے - کہ حضرت سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ نے ظہر پڑھی - پھر کرسی (اپنی مسند) پر بیٹھ کر پانی منگایا - اُس سے منہ پر مسح کیا - اور دونوں ہاتھوں پر اور سر پر مسح کیا اور پاؤں پر اور کھڑے ہو کر باقی پانی کو پی لیا پھر فرمایا لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے - حالانکہ میں نے دیکھا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ایسا ہی کرتے جیسا کہ میں نے کیا ھذا وضوء من لم یحدث اس روایت کے ثبوت صحت کے بعد جب اس امر کے لئے غور کیا جائے گا کہ اس سے مسح پاؤں کا ثابت ہو تو ہرگز کامیابی نہ ہوگی جس طرح اس روایت سے مسح پاؤں کا ثابت کیا جائے گا - یونہی اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح بھی وضو میں ثابت ہوگا - حالانکہ یہ عمل تبرید کے لئے تھا نہ وضوء صلوٰۃ تھا جس کی طرف خود حضور کا لفظ آخر ھذا وضوء من لم یحدث" اشارہ کر رہا ہے اور یہ فرمانا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے" یہ اشارہ اس سے قبل کے جملہ کی طرف ہے یعنی کھڑے ہو کر بقیہ پانی کا پینا کہ اس کی طرف گمان کراہت ہو سکتا تھا ورنہ مسح وجہ و ید (منہ اور ہاتھ) کو تو باطل گمان کیا جاتا ہے نہ مکروہ اور کسی کا قول نہیں ہے کہ وضوئے نماز میں بجائے پاؤں دھونے کے پاؤں پر مسح کافی ہے اور کوئی قول حضور سرور عالم و اصحاب کرام صلی اللہ علیہ و رضی اللہ عنہم سے مسح پاؤں کا ثابت نہیں - علاوہ طحاوی نے عبدالملک بن سلیمان سے روایت کیا کہا میں نے عطاء سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہوا ہے کہ کسی صحابی رسول کریم نے پاؤں پہ مسح کیا، انہوں نے کہا نہیں وایک روایت ابن عباس کی پاؤں پر مسح کے لئے عطیٰ سبیل الارسال تفسیر کبیر میں میرے بزرگ محترم امام رازی نے نقل کی ہے - جو علاوہ صحت طلب ہونے کے حضرت عطا کے قول کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر قابل قبول ہے کیونکہ حضرت عطا اکابر اصحاب ابن عباس سے ہیں اور مسح کے مانع ہیں -

فرائض وضو کے بعد یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعی نے ترتیب کو بھی داخل فرائض وضو کیا ہے اور حضرت امام مالک نے موالاۃ کو فرض ٹھہرایا ہے مگر ہمارے امام الائمہ کے مسلک میں ترتیب و موالاۃ فرض نہیں اس لئے کہ آیہ کریمہ فاغسلوا الآیہ میں ترتیب و توالی کا کچھ لحاظ نہیں واو سے اعضائے وضو کا عطف کیا اور وہ مطلق جمع کے لئے اور ترتیب و موالاۃ سے عام پس آیہ کریمہ میں اعضائے ثلاثہ کے دھونے اور مسح سر کا حکم ہے جو عام ہے اس بات سے کہ متوالی ہو یا متفرق اور مرتب ہو یا غیر مرتب شرط ترتیب و توالی اطلاق منصوص کے ماسوا ہے۔

حضرت امام احمد کے نزدیک قبل وضو تسمیہ (بسم اللہ کہنا) فرض ہے مگر ہمارے یہاں اس کی فرضیت کا حکم بغیر دلیل کتاب پر زیادتی ہے۔ اس لئے کہ کتاب سے فقط تین اعضاء کے دھونے اور مسح سر کی فرضیت ہی ثابت ہے۔

حضرات نماز کے لئے پانچ شرائط ہیں اوّل طہارت اس کی دو قسم ہیں ایک مذکور ہوئی دوسری غسل یعنی طہارت حدث اکبر سے اس میں دو فرض ہیں دوسری شرط ستر عورت۔ تیسری نیت۔ چوتھی وقت پنجم استقبال قبلہ (قبلہ کو منہ کرنا) پھر ان میں سے ہر ایک کے مراتب و مسائل فروعات و ضروریات و لوازمات اور ان کی تحقیقی ابحاث الحمد للہ کہ کتب متقدمین میں مفصلاً مشرح ہیں اس ناچیز نے اپنی حسب طاقت کلام تفصیلی و تحقیقی کیا ہے جسکو مجموعہ ارکان اربعہ میں آج پیشکش دربار حضرت علم کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔

اذان شرط نماز نہیں مگر مشابہ شرط ہے اور سنت مؤکدہ ہے اور علم دین ہے اور عظیم المرتبت ہے جس کے تارک و منکر اور ہتک حرمت کرنے والے پر فقہی طور پر سخت وعید و عذاب ہے اس کے احکام و شرائط بجائے خود ایک مبسوط فرد تحقیقی وافی رکھتے ہیں۔ اس کے سوم احکام میں اذان خطبہ جمعہ مخصوص فی المجد

کا مرتبہ عظمت ایک بزرگ ترین حکم شرع ہے۔ ان تمام شرائط وضروریات کے بعد عمل عبادت نماز ہے جس کی فرضیت وعظمت کو خود حضرت حق سبحانہ نے بیان فرمایا اور بندوں کے لیئے لازم ٹھہرایا جس کے فضائل واحکام کو حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے پڑھ سنایا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مقام پر مجھے ایک ضروری گذارش کر دینی ضرور ہے جو مقدمۂ کلام کا کام دیگر تمام فرائض عبادات کے ارکان وشرائط کی تحقیق وتسلیم کے لیئے کار آمد اور مفید۔

حضرات جملہ عبادات کے لیئے حقیقت شرعیہ ہے جسکا شارع عالم نے اعتبار کیا ہے اور اس کے وجود کو معتبر مانا ہے۔ اور اس کے واسطے ارکان ٹھہرائے ہیں جن کو اس کے قوام میں داخل کر دیا ہے کہ جب ان ارکان میں سے کوئی رکن فوت ہوتا ہے تو یہ حقیقت بھی فوت ہو جاتی ہے اور ان حقیقتوں کے لیئے نام مقرر کر دیئے گئے ہیں اور ان حقیقتوں کے وجود کو ایسی اشیاء پر موقوف کر دیا ہے کہ انکا فوت ہونا ان حقائق کے وجود کو باطل کرتا ہے اور ان حقیقتوں پر آخرت میں ثواب کا وعدہ فرمادیا گیا ہے اور بندوں کو خارج میں ان پر عامل ہونے کا حکم دے دیا گیا ہے اور ان پر عامل نہ ہونے والوں کے لیئے وعید وغضاب کا حکم بھی سنا دیا گیا ہے۔

پہلی کا نام فرض داخلی ہے اور دوسری فرائض خارجیہ کہی جاتی ہے اور انکو ارکان وشرائط بھی کہا جاتا ہے یہ ان حقائق کی تکمیل کن اشیا میں پھر یہ تکملات تین قسم ہیں۔ ایک واجب انکے فوت ہونے سے کمال حقیقت فوت ہوتا ہے۔

دوسرا سنت اس کا ترک نیل درجات ورفعت مقام وقرب خاص سے باز رکھتا ہے۔

تیسرا مندوب جس کا کرنا ثواب بڑھانے والا اور نہ کرنا نہ باعث عذاب نہ تعذیب

اب یہ بھی ظاہر ہونا چاہیئے کہ یہ ارکان وشرائط واجبات۔

وسنن ومندوبات ومکملات مثلاً نماز میں سب پائے جاتے ہیں اب ان کا حسب مدارج ان کا بیان و امتیاز ہونا چاہیے اُس کے واسطے یہ تقریر ملاحظہ ہو۔ ان امور میں سے کبھی بعض کا بیان کتاب اللہ سے ہوتا ہے اور کبھی کسی کا بیان سنت قولیہ اور کبھی سنت فعلیہ سے ہوتا ہے۔ جبکہ قرینہ ہو کہ یہ فعل بیان کے واسطے ہے پس حضور سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا کہ حقیقت صلوٰۃ بغیر اُس کے پائی ہی نہیں جاتی وہ شرط ہے اور اس کے ساتھ ہی اُس کا بیان داخل حقیقت ہونے پر بھی ہوا وہ رُکن ہے اور اگر ایک امر نماز میں ہے مگر اس کے لئے یہ بیان نہ ہوا کہ اُس کے فوت سے نماز فوت ہوتی ہے اور کوئی قرینہ بھی وہاں دلالت اس امر کی نہیں کرتا ہے کہ بیان رُکن یا شرط منظور ہے پس امر سے وجوب ثابت ہوگا عام اس سے کہ یہ امر منقول خبر واحد سے ہو یا متواتر سے ہو لہٰذا فرق فرض وواجب میں یہی ہوا نہ وہ جو میرے بزرگ مرتبہ دوست امام ہمام فتح القدیر کے ظاہر کلام سے متوہم ہوتا ہے کہ اُن دونوں میں کچھ فرق نہیں مگر یہ کہ ان الثابت بالمتواتر طلبہ فھو فرض رکن او شرط وما بالاحاد وان دل علی الدخول فھو واجب فھما یفترقان عندنا لا عند اللہ الخ

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ فرائض نماز میں سے تکبیر افتتاح ہے۔ بقولہ تعالیٰ وربک فکبر اور جب کہ تکبیر افتتاح موجب دخول فی الصلوٰۃ ہے تو فرض ہوئی جیسا کہ حضرت مولا کرم اللہ وجہہ سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلوٰۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم رواہ ابوداؤد والترمذی اکثر مشائخ نے تکبیر افتتاح کو شرط خارج بھی کہا ہے جیسا کہ ہدایہ میں قول اللہ تعالےٰ سے دلیل لائے وذکر اسم ربہ فصلیٰ بیان صلوٰۃ کا عطف ذکر اسم رب پر ہے اور عطف میں اصل یہ ہے کہ معطوف علیہ خارج ہو معطوف سے اگرچہ اُس کا دخول جائز ہے۔ مگر اصل کا ترک بغیر دلیل نہیں ہو سکتا اور بعض مشائخ مثل امام طحاوی امام شافعی نے

تکبیر افتتاح کو رکن کہا یہ بھی عرض کر دوں کہ تکبیر کے لئے الفاظ متعین و مخصوص نہیں اس میں بھی آئمہ کا خلاف ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اللہ اکبر کے سوا جائز نہیں۔

پھر قیام و قرأت حسب فرمان خداوندی فاقرؤا ما تیسر من القرآن۔ نزل ناسخا للقیام الطویل والقرآنۃ الطویلۃ فی الصلوٰۃ۔ مگر یہ رکن ہے عذر سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے گونگا یا معذور ان کو ساکت ہی کھڑا رہنا ہوگا پھر فرض قرأت جس پر اطلاق قرأت قرآن کا ہو وہ ایک آیت نزدیک امام اعظم اور تین چھوٹی یا ایک لمبی نزدیک صاحبین کے آئمہ ثلثہ امام شافعی و امام احمد و امام مالک نے فرمایا کہ قرأت میں فاتحہ کی قرأت متعین ہے اور اس کی قرأت رکن صلوٰۃ ہے امام احمد سے دوسری روایت آتی ہے۔ جو ہمارے موافق ہے اور امام مالک سے فرضیت قرأت فاتحہ و سورۃ کی بھی روایت ہے صاحب فتح قدیر نے اس کے متعلق فرمادیا ہے کہ لم یذھب الیہ ذاھب۔ اس بحث میں لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب پیش کرنا آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن نص حاکم کے مقابلہ میں غیر محقق و ناقابل قبول۔

بعض روایتوں میں سورہ فاتحہ کی ...... قرأت کے متعلق وہ الفاظ آئے ہیں جس کے ترک سے نفی کمال نکلتی ہے جیسے روی ابو ھریرہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فھو خداج غیر تمام رواہ مسلم اس روایت سے بھی نماز کا ناقص غیر تام ہونا نکلتا ہے جو فساد کو واجب نہیں کرتا نقصان اور چیز ہے فساد اور چیز لہٰذا رکن ہونا ثابت نہ ہوا۔ ہاں قرأت فاتحہ ہمارے یہاں واجب ہے اور اس کا ترک باعث اثم ہے کہ بعض اخبار میں اس کا امر وارد۔

پھر رکوع و سجود دونوں باجماع امت رکن ہیں بقولہٖ تعالیٰ وارکعوا واسجدوا رکوع کے معنی ہیں جھکنا اور سجدہ کے معنی ہیں پیشانی اور ناک کا زمین پر رکھنا۔

رکوع و سجود میں امام اعظم و امام محمدؒ کے نزدیک مطلق انحناء و منع فرض ہے
قومہ بین الرکوع والسجود فرض نہیں ہے۔ اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان میں
بیٹھنا اور تعدیل رکوع و سجود واجب ہے اور قومہ اور جلسہ سنت ہیں اور بعض نے
کہا واجب ہیں وعلیہ اعتماد الشیخ ابن الھمام وبہ افتی بعض المشائخ اور دو
سجدوں میں اتنی قدر فرض جو پہلے کو دوسرے سے جدا کر دے۔

پھر تکبیر کہے اور ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے اور چھوڑنے کے بعد سیدھے
ہاتھ کو الٹے ہاتھ پر رکھنا چاہئے اس طرح کہ خنصر سے بنصر کو پکڑے اور ابہام سے
پہنچے کو پکڑے اور ہاتھ ناف کے نیچے رکھے اور عورت صدر کے نیچے۔

حضرات یہاں یہ فائدہ ضروریہ بھی لائق تذکرہ و تحقیق ہے۔ کہ حضور سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز شروع کرنے سے قبل کی دعائیں وجوہ کثیرہ
پر مروی ہیں بعض نماز شبینہ کیساتھ مقید و مخصوص ہیں اور بعض مطلق ہیں حضرت
ابوہریرہ سے مروی قال اقول اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت
بین المشرق والمغرب اللھم نقنی من خطایای کما ینقی الثوب الابیض
من الدنس اللھم اغسلنی من خطایای بالثلج والماء والبرد رواہ ابوداؤد
والنسائی ورواہ الشیخان۔

عن جبیر ابن مطعم انہ رای رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی
صلوۃ قال اللہ اکبر کبیرا اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا ثلثا و سبحان اللہ
بکرۃ واصیلا ثلثا اعوذ باللہ من الشیطان من نفخہ ونفثہ وھمزہ رواہ
ابوداؤد۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یقول
اللھم لک الحمد انت نور السموات والارض ولک الحمد انت قیام السموات

والارض وفی روایۃ قیم السموات والارض ومن فیھن ولک الحمد انت رب السموات والارض ومن فیھن انت الحق ووعدک الحق وقولک الحق ولقاءک الحق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ حق اللھم لک اسلمت وبک امنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ماقدمت واخرت واسررت واعلنت انت الھی لا الٰہ الا انت رواہ مسلم۔

عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوۃ قال انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اللھم انت الملک لا الٰہ الا انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعاً لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدینی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا ولا یصرف عنی سیئھا الا انت لبیک وسعدیک والخیر کلہ فی یدیک والشر لیس الیک انابک والیک استغفرک واتوب الیک رواہ مسلم والترمذی کہا گیا ہے کہ یہ ورد تہجد کا ہے بہرحال ان اخبار کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کوئی دعائے مخصوص بوقت افتتاح نماز کی نہیں ان دعاؤں میں سے جو چاہے پڑھ لے۔ پھر تعوذ کے بعد بسم اللہ آہستہ سے کہے اسی طرح بعد ختم فاتحہ آمین بھی آہستہ کہے اگرچہ نماز جہری ہو یہی مذہب حنفیہ ہے اور بعد آمین ایک آیت طویلہ یا تین آیتیں پڑھے اور سنت یہ ہے کہ پوری سورت پڑھے اور جب قرأت سے فارغ ہو جائے تو تکبیر کہے اور رکوع کرے اور رکوع میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے تسبیحات رکوع سے فارغ ہو کر

اُٹھے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد امام اعظم کے نزدیک امام تحمید نہ کرے پھر بعد قومہ کے تکبیر کہے اور سجدہ کرے اور رفع وخفض و نہوض میں سوا تکبیر افتتاح ہاتھ نہ اُٹھائے رفع یدین نہ کرے یہی مذہب محقق حنفیہ ہے۔

فتح میں ہے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام اوزاعی مکہ معظمہ میں دار الخیاطین میں جمع ہوئے ابن عیینہ نے حکایت کیا ہے کہ اوزاعی نے کہا تم رکوع میں جاتے اور اُٹھتے ہاتھ کیوں نہیں دکھاتے۔ امام اعظم نے فرمایا اس لئے کہ حضور سرار عالم سے یہ حدیث ثابت نہیں اوزاعی نے کہا کیونکر نہیں حالانکہ حدیث کی مجھکو زہری نے سالم سے اُس نے اپنے باپ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے اور وقت رکوع کے اور رکوع سے اُٹھتے وقت۔

امام اعظم نے فرمایا حدیث پہنچی مجھ کو حماد سے اُن کو ابراہیم سے اُن کو علقمہ اور اسود سے انکو عبد اللہ بن مسعود سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین نہ فرماتے مگر صرف شروع نماز پر پھر کسی وقت یہ عمل نہ کرتے اوزاعی نے کہا میں تم کو حدیث زہری عن سالم عن ابیہ سناتا ہوں اور تم حدیث حماد عن ابراہیم لاتے ہو۔ امام نے فرمایا حماد زہری سے افقہ تھے اور ابراہیم سالم سے افقہ اور علقمہ ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں۔ اگرچہ ابن عمر کے لئے صحبت ہے اور اسود بڑے مرتبہ کے ہیں اور عبد اللہ عبد اللہ ہے۔

یہاں امام نے علو اسناد کے مقابل ترجیح فقہ دی جو بلا شبہ مذہب منصوص ہے کہ ترجیح فقہی کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔

اس حکایت سے فریقین کی حجت معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عدم رفع یدین کی حدیث بروایت ابن مسعود ہے جو بلا شک صحیح اس کے اثبات کے

نے سند ترمذی اور ابوداؤد کی حاجت نہیں دارقطنی میں لم ابراہیم و عبداللہ سے
اور ابراہیم و علقمہ و عبداللہ سے ہے قال صلیت خلف رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم ابی بکر و عمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند استفتاح
الصلوٰۃ اور فتح میں روایت کی طحاوی نے پھر بیہقی نے سند صحیح سے عن الاسود
قال رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود
پس ان اکابر صحابہ سے عدم رفع ثابت ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے مثبتین و
مجوزین رفع کی فہرست بھی ہے مگر بعد تحقیق و تنقید و ترجیح یہی مذہب مختار
ہے کہ صرف شروع میں ایک بار رفع یدین ہو و بس پھر قعدہ اولے اور تشہد
دونوں واجب ہیں امام شافعی نے سنت مانا ہے۔

اور اشارہ سبابہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ موطا کی روایت سے حضرت ابن
عمر کا عمل ثابت اور اس پر ھکذا یضع رسول اللہ کہنا منقول اور امام نے فرمایا
جو حضور نے کیا وہ ہم لیتے ہیں۔ شیخ ابن ہمام نے ابن ابی یوسف سے بھی
امالی میں اسی کی مثل نقل کیا۔ غرضکہ اشارہ ہمارے آئمہ سے ثابت ہے۔
اور اصحاب امام اعظم میں سے اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ بعض لوگوں
نے کراہیت بلکہ حرمت کا فتوے دیا ہے وہ ان کی روایت موطا و امالی اور
محققین مشائخ کے مسلک مقبول سے ناواقفی ہے قعدہ آخرہ میں بعد تشہد حضور
سرور عالم پر درود پڑھنا چاہیئے اور جو چاہے دعا مانگے۔ مگر کلام ناس سے
مشابہ نہ ہو دعا ماثورہ بہتر ہے جیسے یہ دعا اللھم اعوذ بک من عذاب
جہنم و من عذاب القبر و من فتنۃ المحیا والممات و من فتنۃ المسیح
الدجال پھر سلام پھیر دے۔

حضرات۔ یہ نماز کے متعلق مختصر طور پر ضروری احکام و شرائط

عرض کرچکا۔ اب روزہ کے متعلق اور دوسرے رکن اسلام و وظیفہ مذہبی کے متعلق
کچھ کلام کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ احکام اُسی توجہ سے سُنے جائیں گے
جو انکے واسطے لازمی ہے خداوند عالم فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا کتب
علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم یعنی اے ایمان والو تم پر فرض
کیا گیا روزہ جیسا فرض ہوا اگلوں پر۔ حضرت سیدنا مولانا علی رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ روزہ سے کوئی شریعت قدیم خالی نہیں۔ یہ پرانی عبادت ہے۔
بعض اگلی اُمتوں پر ایام بیض کا روزہ اور بعض پر روزہ عاشورہ اور بعض پر شنبہ کا
فرض تھا۔ نصاریٰ پر ماہ رمضان مقرر ہوا لیکن اُس سال بسبب شدت گرمی یا
سردی اُنہوں نے موسم بہار میں روزے رکھے اور اس تبدیل کے کفارہ میں بیس
روزے اور زیادہ کئے۔ حضور سرورِ عالم کی امت پر بھی رمضان کے روزے
فرض ہوئے اور بہ برکت و رحمت حضور اجر و ثواب میں خاص خاص کرم مقرر
ہوئے خود سرور کار ارشاد فرماتے ہیں۔ عن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم قال ربنا الصیام جُنۃ یستجن بہا العبد من النار
وھولی وانا اجزی بہ وسمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم الصیام
جُنۃ حصینۃ من النار رواہ مسلم ونسائی۔

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ روزہ ڈھال ہے دوزخ سے بچائے گا۔ خود خدا
اُس کی جزا ہے وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کل عمل ابن ادم یضاعف الحسنۃ عشرۃ امثالہا الی سبعۃ مائۃ
ضعف قال اللہ عز وجل الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ یدع طعامہ
وشرابہ وشھوتہ من اجلی ولی للصائم فرحتان فرحۃ عند فطرہ وفرحۃ
عند لقاء ربہ ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک رواہ

الائمۃ الستۃ۔

روزہ کو خدا نے اپنے لئے ٹھہرالیا۔ اس کے معنے یہ بھی سمجھائے گئے ہیں۔ کہ قیامت کے دن خدا بندوں کا حساب لے گا۔ جن میں سے بعض کے اعمال با نقص و خراب ہونے کے سبب سختی ہوگی۔ مگر صرف ایک عمل روزہ اُس کو جنت کے داخلہ کا سبب ہو جائے گا۔

روزہ کے معنے ہیں کھانے پینے اور جماع سے دن میں باز رہنا اس کا وقت صبح صادق سے غروب شمس تک ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل۔ یہاں اعتبار صبح صادق ہے نہ صبح کاذب وہ تورات میں داخل ہے سمرہ بن جندب کی روایت میں ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعکم من سحورکم اذان بلال ولا الفجر المستطیل ولکن الفجر المستطیر فی الافق رواہ مسلم وابوداود والترمذی والنسائی اکثر مشائخ نے روزہ میں طلوع فجر کا اعتبار کیا ہے اور بعض مشائخ نے تبیُّن کو معتبر مانا ہے۔ یہاں تک کہ اگر فجر طالع ہوئی اور ضوء افق پر منتشر نہ ہوئی اور اس وقت کھا لیا تو ضرر نہ ہوگا۔ شرح مختصر وقایہ علامہ برجندی میں پہلی روایت روزہ کے لئے ہے اور دوسری نماز کے لئے اور دوسری روایت علامہ امام شیخ اکبر قدس سرہ کا مذہب ہے اور وہ ظاہر نص کے موافق ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ حتی یتبین لکم الخیط الابیض یہاں حتی یطلع ارشاد نہیں ہے اور اسی کی مؤید حضرت ابن عباس کی روایت ہے ہما فجران فلما الذی یستطیل فی السماء فلیس یحل ولا یحرم شیئاً لکن الفجر الذی یستبین علی رؤس الجبال ھو الذی یحرم الشراب ورنہ صوم میں غروب شمس معتبر ہے جس وقت آفتاب غروب ہوا ارت آ گئی اور بالاجماع

افطار حلال ہو گیا۔

یہاں مجھے یہ بھی عرض کر دینا ضرور ہے کہ روزہ کی شرافت کی تکمیل زبان وغیرہ کا محض کھانے پینے جماع ہی سے روکنا نہیں ہے۔ بلکہ روزہ دار کو گالیاں بکنا بھی مکروہ ہے اور قتال و تکلم فحش بھی ممنوع ہے چلا چلا کر جھگڑا کرنا بلند آواز سے فضولیات بکنا بھی حکم کراہیت رکھتا ہے۔ صائم کو جھوٹ بولنا بھی مکروہ ہے یہ تمام باتیں اگرچہ ہر وقت بری ہیں۔ لیکن روزہ کی حالت میں شرف و ادب روزہ کو نقصان دہ بھی ہیں عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصیام جُنّة مالم یخرقها قیل وبما یخرقها قال بکذب وغیبة حضور فرماتے ہیں۔ روزہ ڈھال ہے۔ جب تک اُس کو توڑا نہ جائے پوچھا گیا اُس کو توڑنا کس چیز سے ہوتا ہے فرمایا جھوٹ سے غیبت سے۔

ملہ رمضان کے روزے بلاشک فرض ہیں۔ اور اُن کی فرضیت ضروریات دین

میں سے ہے۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فمن شهد منكم الشهر فليصمه بعض متبدعین کا خیال ہے۔ کہ فرض دو باتوں میں سے ایک بات ہے فدیہ دینا یا روزہ رکھنا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جیسا کہ حضرت سلمہ ابن الاکوع سے مروی ہے کہ جب آیة وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین نازل ہوئی تو جو چاہتا افطار کر کے فدیہ دے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہو گئی فمن شهد منكم الشهر فليصمه اس نے اُس حکم کو منسوخ کر دیا۔ سوائے امام مالک کے تمام آئمہ خمسہ نے اس کو روایت کیا اور یہ بھی فقہا کا مذہب ہے کہ وعلی الذین یطیقونه میں ہمزہ سلب کے واسطے ہے یعنی جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں اُن پر فدیہ ہے۔ جیسے شیخ فانی اور بعض کا مذہب ہے۔

ہے کہ یہ آیۃ حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) کے ساتھ مخصوص ہے بہرحال یہ قول کہ بلا عذر شرعی یا وقتی علالت وغیرہ سے فدیہ روزہ کا قائم مقام ہو سکتا ہے قریب کفر ہے نعوذ باللہ منہ پھر ادائے صوم کے لیئے جمہور آئمہ کے نزدیک نیت شرط ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات اس میں یہ راز ہے کہ ترک اکل و شرب کبھی بطور عادت ہوتا ہے اور کبھی بطور عبادت لہذا نیت سے تعیین عبادت ضروری ہے۔

ہمارے نزدیک صوم رمضان میں نیت نصف النہار شرعی سے قبل تک صحیح ہے۔ سلمہ ابن الاکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا۔ کہ لوگوں کو اطلاع کر دو کہ جس نے کچھ کھا لیا وہ بقیہ یوم امساک کرے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ رکھے۔ اس لئے کہ آج یوم عاشورہ ہے رواہ الشیخان والنسائی یہ حدیث اس امر میں صریح ہے۔ کہ فرض روزہ کی نیت دن میں صحیح ہے کیونکہ صوم رمضان سے قبل صوم عاشورہ فرض تھا ہمارے نزدیک مطلق صوم اور نفل و واجب دیگر کی نیت سے روزہ رمضان ادا ہو جاتا ہے۔ آئمہ ثلثہ کے نزدیک تعیین نیت شرط ہے۔ روزے تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جن کا وقت معین ہے۔ جس طرح روزہ رمضان وغیرہ دوسرے وہ جن کے واسطے کوئی دن معین نہیں۔ مثلاً صوم قضا صوم کفارہ وغیرہ اس قسم میں رات سے نیت ضروری ہے۔ دن میں نیت کافی نہیں اور نہ یہ قسم مطلق نیت و مباین نیت سے ادا ہو سکتی ہے۔ تیسری قسم روزہ نفل ہے۔ اس کی نیت دن میں قبل زوال تک صحیح ہے جیسا ام درداء سے مروی ہے کہ ابو الدرداء مجھ سے دن میں آکر پوچھتے کہ تمہارے پاس کھانا ہے اگر ہم یہ کہہ دیتے کہ نہیں ہے

تو کہتے آج میں روزہ رکھے لیتا ہوں۔

حضرت ابوطلحہ ابوہریرہ ابن عباس نے بھی ایسا کیا۔ رواہ البخاری تعلیقًا مکلفین پر فرض کفایہ ہے کہ شعبان کی ۲۹ کو ہلال رمضان تلاش کریں کہ فرض کا مقدمہ بھی فرض ہے۔

یونہی ۲۹۔ رمضان کو ہلال عید اور ۲۹ ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کا تلاش کرنا۔ اگر ۲۹۔ شعبان کو چاند نظر آجائے تو روزہ رکھنا چاہیے۔

علیٰ ہذا ۲۹ رمضان کو ہلال دیکھ لیا جائے تو روزہ ختم کر دیا جائے۔ ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ رکھیں اور رمضان کے تیس روز کامل کے بعد افطار کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رأیتم الھلال فصوموا واذا رایتموہ فافطروا فان غم علیکم فعدوا ثلثین رواہ مسلم۔

اگر آسمان پر ابر یا غبار وغیرہ ہو تو رمضان کے لئے ایک شخص کی رویت اور عید کے واسطے دو شخصوں کی رویت کافی ہے اور اگر ابر وغیرہ نہ ہو تو رمضان و عید دونوں میں جم غفیر کی رویت شرط ہے جس سے علم یقین ہو جائے۔

معزز حضرات بعد نماز اور روزہ کے تیسرا رکن دین زکوٰۃ ہے جو تزکیہ مال کے لئے اور مصالح و منافع غربائے اسلام و اہل حاجت و اہل قرابت کے واسطے ایک کارآمد و مفید و مددگار اُمت ہے اور ظاہری نظروں میں بھی جس طرح اپنی اہمیت و شرافت دکھا رہا ہے یونہی یہ خدائی فرض بھی ہے۔ جس کا منکر کافر اور تارک فاسق ہو جاتا ہے۔ یہ فرض ہر اس آزاد مکلف مسلمان پر ہے جو مالک نصاب ہو اور وہ مال خلقۃً قابل نمو ہو اور اس مال پر سال گزر جائے (یعنی اگر سال بھر تک دو سو روپیہ رہیں۔ تو ان پر پانچ روپیہ زکوٰۃ آئے گی بحساب ڈھائی

کے چالیسویں حصہ کے۔

زکوٰۃ فرض ہونے میں شرط ہے کہ ملک تام ہو اس لئے کہ زکوٰۃ مال کا مالک کر دینا ہے اور یہ ممکن ہی نہیں۔ جب تک خود مالک نہ ہو اسی وجہ سے غلام اور مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہیں اور نہ اُس پر واجب ہے جو مالک مال تو ہے مگر اُس کا قبضہ مال پر نہیں۔ اور فرضیت زکوٰۃ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مال قرضہ میں گھرا ہُوا نہ ہو یعنی اگر بہت سا مال ہے اور قرض بھی اُتنا ہے جو اُس مال پر محیط ہو رہا ہے تو زکوٰۃ نہیں آئے گی۔

اور مذہب حنفی میں بچّہ کے مال پر بھی زکوٰۃ نہیں آئے گی اگرچہ اُس پر سال گزر جائے حضور فرماتے ہیں رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یحتلم و عن المجنون حتی یعقل خلاصہ یہ کہ نائم و مجنون و بچّہ پر احکام واجب نہیں۔ جب تک یہ حالتیں جاتی نہ رہیں اور یہ بھی دلیل ہے کہ زکوٰۃ نماز روزہ کی طرح ارکان دین سے ہے۔ حضور نے فرمایا ہے بنی الاسلام علی خمس اور ان میں زکوٰۃ کو بھی شمار فرمایا ہے۔ پس اس کی ادا کے لئے مثل دیگر فرائض نیت ضرور ہے اور ادا اپنے اختیار سے لازمی اور وہ بچپن میں متصور نہیں وجوب بھی متحقق نہیں۔ اس لئے کہ یہاں وہ فائدہ نہیں اور ولی کے متعلق یہ دفع دخل ہے کہ وہ غیر ہے۔ اُس کی نیت کافی نہیں ہوگی۔

شرائط زکوٰۃ میں مال پر سے سال کا گزر جانا بھی ہے۔ جس کو یہ حدیث بتا رہی ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من استفاد مالًا فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول الحول علیہ رواہ الترمذی یعنی جس نے حاصل کیا مال بس نہیں زکوٰۃ ہے اُس پر یہاں تک کہ اُس پر ایک برس گزر جائے۔

نصاب چاندی کا دو سو درم ہیں۔ اس لئے کہ سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور اوقیہ چالیس درم کا ہوتا ہے جس کا وزن بقول محقق علماء کرام کے ساڑھے باون تولہ اور نصاب سونے کا بیس مثقال ہیں اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ جس کے حساب سے نصاب سونے کا ساڑھے سات تولہ ہوا۔ پس جب نصاب سونے اور چاندی کا (خواہ زیور ہو یا اشرفی روپیہ ہو یا سونا چاندی) بشرائط مصرحہ بالا پایا جائے گا چالیسواں حصہ زکوٰۃ خدا کی راہ میں نکالنا فرض ہوگا۔ خواہ وہ معتدا قبل گزرنے سال کے ویدے یا بعد کو۔

مگر فقیر کو دینے وقت یا چالیسواں حصہ علیحدہ کرتے وقت نیت ضرور ہے زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنانا مردہ کا کفن دینا زکوٰۃ دینے والے کو جائز نہیں۔ اس وجہ سے کہ زکوٰۃ میں فقیر و مسکین وغیرہ غیر ہاشمی کا مالک کر دینا رکن زکوٰۃ ہے۔

البتہ فقیر کو جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کو لے کر اپنے قبضہ میں لا کر جس کام میں چاہے اپنی خوشی سے لگاوے۔ خواہ ہاشمی کی نذر کر دے یا کسی کو کھلا دے یا مسجد بنا دے۔

زکوٰۃ کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نقل کرنا مکروہ ہے۔ ہر جگہ کا صدقہ وہیں کے مستحقین کو تقسیم کر دینا اولےٰ ہے اس وجہ سے کہ اُن میں حق جوار کی رعایت ہے البتہ اگر دوسری جگہ زکوٰۃ دینے والے کے قرابت دار محتاجین ہوں۔ یا دوسرے شہر والے زکوٰۃ دینے والے کے شہر والوں سے زیادہ محتاج ہوں تو کراہیت نہیں۔

حضرات! آج تک میں تین ارکان دین نماز۔ روزہ زکوٰۃ کے متعلق اپنی معلومات عرض کر چکا آج میری تقریر کا آخری دن ہے جس میں رُکن رابع یعنی

یعنی ذریعۂ حج پر تقریر کروں گا اور امیدوار ہوں گا کہ آپ حضرات اسی توجہ سے کرم فرمائیں گے۔ جو نیک عمل میں آتی رہی ہے اور میرے بزرگ ارکان دربار اور حضرت صدر دربار عالی وقار جناب علم عم فیضہم بھی مجھے اسی شفقت سے نوازیں گے۔ جیسا اب تک نوازا ہے۔ وللہ الحمد فی البدایۃ والنہایۃ۔

گرامی قدر حاضرین دربار! حج بھی ہمارے دین کی عبادت ہے۔ اور صاحب فضیلت و شرف کرامت ہے خدائے قدوس نے حکم دیا ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔

احادیث کثیرہ میں یہ مضمون وارد ہے کہ حج مبرور تمام صغائر و کبائر کو دُھا دیتا ہے۔ ہماری بحث حج فرض سے ہے جس کو آیت عظیمہ مذکورہ بیان فرما رہی ہے اُس میں طاقت ہونا شرط ہے اور طاقت یہ ہے کہ آزادی اور صحت اور آسانی اور امن راہ ہو۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں جب خشکی کی راہ غیر مامون ہو اور تری کا راستہ ہو تو حج واجب نہیں۔ مگر صحیح وہ ہے جو علامہ ابن ہمام نے فتح میں امام کرمانی سے نقل کیا کہ جب تری کی راہ میں غالب سلامتی ہو اُس جگہ سے جہاں سے عادت رکوب جاری ہو تو حج واجب ہے ورنہ اور آسانی کی یہ تعریف ہے کہ اتنا مال ہو۔ جو اہل و عیال کی حاجت کو کفایت کرے۔ جب تک کہ حاجی سفر حج میں رہے اور خود اُس کو اس مدت سفر معتد میں کھانے پینے کو کافی ہو اور قرض و احتیاج کا منہ نہ دکھائے۔ بلکہ اُس کا آنا جانا اپنے مال سے ہو۔ پس جب ایسی وجہ مذکورہ سے استطاعت پائی جائے تو عمر میں ایک بار حج فرض ہو گا۔ اور سوا اس کے جو حج ہو گا وہ حج نفل مگر حج نذر و منت کہ وہ واجب ہو گا۔ جیسے دیگر عبادات نذر۔

اس مقام پر ایک اور تحقیق بھی ظاہر کر دینے کو جی چاہتا ہے وہ یہ کہ ایسا شخص جس پر بوجہ استطاعت نہ ہونے کے حج واجب نہ تھا وہ جب مکہ معظمہ پہنچ جائے گا تو بوجہ استطاعت حج فرض ہو جائے گا اور وہ جو حج کرے گا۔ وہ حج فرض ہوگا۔ پھر دوبارا باوجود استطاعت بھی فرض کا فرض نہ رہے گا۔ جبکہ وہ شخص آزاد اور بالغ ہو بچہ اور غلام پر ایسی صورت میں دوبارا بعد آزادی اور بلوغ وجوب متحقق ہوگا اور بچپن اور غلامی کی حالت کا حج حج نفل ٹھہریگا۔

یہ بھی واضح ہونا ضرور ہے کہ استطاعت میں صحت بدن بھی ہے۔ پس اندھے اور مفلوج اور پاؤں کٹے ہوئے اور اس مریض پر جو سفر کی طاقت نہیں رکھتا حج واجب نہیں۔

اسی مضمون کے ضمن میں یہ بحث بھی قابل تذکرہ ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنی طرف سے حج کرانا واجب ہے یا نہیں۔ اس میں حضرت امام اعظم معیار الشریعہ کا مذہب تو یہ ہے کہ واجب نہیں۔ اس لئے کہ وجوب ہی اُن پر نہیں۔ کیونکہ استطاعت مشروطہ مفقود ہے اور نص قرآنی سے صحت بدن شرائط وجوب سے ہے۔ نہ شرائط ادا سے پس غیر سے حج کرانا واجب نہیں۔

ہاں یہ دوسرا مبحث ہے۔ کہ وجوب ان اعذار سے پہلے متحقق ہو لیا ہو۔

سامعین عظام! میری تقریر طویل ہوتی جاتی ہے مگر یہ مجلس حضرت علم ہے۔ جس میں اس امر پر نگاہ رکھنی ضرور ہے۔ کہ جو مضمون بیان ہو اس کی کوئی ضروری شاخ اور عنوان کا کوئی مفید پہلو متروک نہ ہو لہذا میں تھوڑے بسط کی اور اجازت چاہتا ہوں اور اپنی تقریر کے آخری حصہ کو مکمل کر دینے کا خیال رکھتا ہوں۔ اور یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ عورت پر بھی حج فرض ہے

مگر اُس کے واسطے ضرور ہے کہ مدت سفر میں اُس کے ساتھ محرم شرعی یا اُس کا خاوند ہو۔ یہاں یہ بھی معلوم ہو کہ خاوند کو منع کرنا جائز نہیں۔ نہ عورت کو بعد فرصت حج خاوند کے منع پر رو کنا جائز۔

ہاں حاجی کے واسطے ضرور ہے کہ والدین کی اجازت و رضا حاصل کرلے اور اذن والدین شرط ادا ہے نہ شرط وجوب۔

عُمرہ ہمارے مذہب حنفی میں سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہماری دلیل روایت ترمذی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سُئل عن العمرۃ واجبۃ ھی فقال لا و ان تعتمروا فہوا افضل۔

البتہ حج و عمرہ دونوں میں احرام واجب ہے ارشاد باری موجود ہے الحج والعمرۃ للہ حج کا وقت ذی الحجہ کے چند دن مخصوص اور اس کی شرط احرام ہے خواہ احرام میقات سے باندھا جاوے یا اس کے پہلے دوسری جگہ سے میقات یعنی مقام احرام حسب تصریح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے ہندی لوگ یلملم کی محاذات سے احرام باندھتے ہیں علیٰ ہذالقیاس اُن لوگوں کے واسطے جو ان شہروں سے یا ان کے مقابل ہو کر گذریں یہی مقام احرام ہیں اور ان جگہوں سے احرام باندھنا واجب ہے اور رکن حج کے عرفات میں ٹھہرنا اور طواف زیارت اور احرام سے باہر آنا پس یہ چار فرض ہیں کہ ان کے ترک سے حج فوت ہوجاتا ہے اور میقات سے یا اُس کے پہلے خواہ حاجی کے وطن سے احرام باندھنا اور عرفات میں مغرب تک ٹھہرنا اور مزدلفہ میں ٹھہرنا اور درمیان صفا مروہ کے سعی کرنا اور کنکریاں پھینکنا اور آفاقی کے لئے طواف صدر اور افعال منیٰ میں ترتیب امام صاحب کے نزدیک واجبات حج سے ہیں کہ ان کے ترک سے حج فاسد نہیں

ہونا اور خون واجب ہوتا ہے جیسے کہ ترک واجب نماز سے سجدہ سہو کا۔ نماز کو کامل کر دیتا ہے۔

اور طواف قدوم و رکن میں یعنی اکڑ کر چلنا اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا اور امام نظلے میں راتوں کو منیٰ میں شب باش ہونا اور منیٰ سے بعد طلوع آفتاب عرفہ کی طرف لوٹنا اور منیٰ کی طرف مزدلفہ سے قبل طلوع لوٹنا اور جو افعال منیٰ میں سوا واجبات کے کئے جاتے ہیں سب سنتیں حج کی ہیں۔

اور صحبت کرنا اور اس کے دواعی مثل بوسہ وغیرہ اور بالوں کا دور کرنا۔ اور خوشبو لگانا اور مرد کو سر ڈھکنا اور چہرہ کا ڈھکنا اور مرد کو سلے ہوئے کپڑے پہننا اور سر کا منڈوانا اور شکار کرنا یا کسی دوسرے کو اس پر رہنمائی کرنا حالت حج میں ممنوع ہے اور ان ممنوعات کے ارتکاب سے بدلہ واجب ہوتا ہے۔ حج فاسد نہیں ہوتا ہے سوا اس صورت کے جبکہ قبل وقوف کے جماع کرے گا تو حج فاسد ہو جائے گا اور جو امور احرام حج میں ممنوع ہیں احرام عمرہ میں بھی ممنوع ہیں۔

اور حج کی تین قسمیں ہیں افراد تمتع قران ہم احناف کے نزدیک قران افضل ہے پھر تمتع پھر افراد۔

جب حاجی اپنے شہر سے حج کو جانے کا ارادہ کرے تو سزاوار ہے کہ اولاً اپنے والدین کو راضی کرے کہ یہ نشان قبول حج کا ہے اور ہر حقدار کو راضی کرے قرض و امانت ادا کرے اور جو مظالم اس کے ذمہ ہیں ان کی معافی لے گناہوں سے توبہ کرے اور سفر خالصاً لوجہ اللہ کرے اور ریاکاری اور سنانا اور تجارت اور دور دراز شہروں کے دیکھنے اور عجائبات کا مشاہدہ مقصود نہ ہو اور جب جانے لگے۔ اس وقت دو رکعت نفل پڑھے اور آسانی سفر کی دعا مانگے۔ اور خویش و اقربا اور ہمسایوں سے رخصت ہو اور ہم سفر دیندار تلاش کرے

اور اگر بسواری اونٹ سفر کرے تو اونٹ والے کو اسباب وغیرہ دکھا دے۔ پھر بغیر اُس کی رضا کے زائد نہ لادے اور گدھے پر سوار ہو کر حج کو جانا مکروہ ہے اگر حج پیادہ پا کرے تو افضل ہے اور اکثر دعاء آسانی سفر و قبول حج کرتا ہے اور جب میقات پر پہنچے اور ارادہ احرام کا کرے غسل کرے خوشبو لگائے اور دو رکعت نفل پڑھے اور کہے۔ اللّٰھُمَّ انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی پھر لبیک کہے اور احرام باندھے اور تمام ممنوعات احرام سے بچے اور احرام باندھکر چلدیوے۔ راستہ میں اکثر لبیک کہتا رہے اور ہر نماز کے بعد اور جب بلندی پستی پر چڑھے اور اترے کسی سواری پر چلے لبیک کہے اور لبیک کہنا بلند آواز سے اور اُس کا کہنا سنت ہے۔ اسی وجہ سے ترک لبیک سے جزا واجب نہیں ہوتی البتہ ترک سے گنہگار ہوتا ہے۔

احرام والا جب مکہ میں پہنچے ابتدا مسجد حرام سے کرے اور جب وہاں بیت اللہ کا معائنہ کرے تکبیر و تحلیل کہے اور جو کچھ چاہے دعا کرے اور سب سے بڑی دعا طلب جنت ہے۔ بیت اللہ میں پہنچکر ابتدا حجر اسود سے کرے۔ خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یوں چلے کہ کسی کو ایذا نہ دے اور مرور مل کرتا چلے اور یہ طواف قدوم ہے جو سنت ہے اُس کے بعد صفا مروہ میں سعی کرے۔ اُس کے بعد مکہ میں مقیم رہے اور معین تاریخوں پر حج ادا کرے۔ بعد فراغ حج حاضری دربار نبوی ضروری کہ حج کرکر اس لائق ہو گیا کہ وہاں حاضر ہو اور دونوں جہان کی نعمتوں سے مالا مال ہو کہ بغیر اس کے کمال دین و دنیا حاصل نہیں ہو سکتا۔ حج کا قبول ہونا اسی حاضری پر موقوف ہے اور یہ خیال کرکر کہ راہ میں خطرہ ہے وطن میں ضرورتیں ہیں مدینہ منورہ میں بیماری ہے یہ ہے وہ ہے سوا ایسی کمال حرمان بلکہ اُس میں خوف زوال ایمان ہے اعاذنا اللہ منہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ پر جفا کی اور فرماتے ہیں جس نے میری زیارت کی اُس پر میری شفاعت واجب ہو گئی اور فرماتے ہیں جو صرف میری زیارت کو حاضر آیا۔ قیامت کے دن میں اُس کا شفیع ہوں اور فرماتے ہیں جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی۔ بعد میرے وصال کے وہ اُس شخص کی مانند ہے۔ جس نے میری زیارت کی۔ زیارت قبر نبی کریم باتفاق فقہائے حنفیہ و شافعیہ و مالکیہ و حنبلیہ اعظم مندوبات و برکات ہے شرح المختار میں اس کو قریب واجب لکھا ہے۔ اُس شخص کے لئے جس کو وسعت ہو۔ ہم کو حضور سرکار عالم کی عظمت شان اور بشارت حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم سُنکر سمجھکر مسئلہ زیارت قبر نبی کے اثبات کے لئے کسی زائد قیل و قال کی ضرورت نہیں۔ میں ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کے اس مسئلہ میں انکار و خلاف کو واضحات اسلامیہ کا خلاف اور نادانی و نافہمی سمجھتا ہوں ہر وہ دل جو محبت سرکار عالم سے لبریز ہو۔ ان خیالات کا توہم بھی پسند نہ کریگا سرکار عالم کا اشرف المخلوقات۔ افضل الکائنات سید العالمین حبیب رب العالمین ہونا ضروریات دین سے ہے اور یہ حضور کی قبر شریف کی زیارت کے منبع برکات ہونے کو ملزوم ہے۔ اس بحث میں حدیث لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام و مسجدی و المسجد الاقصیٰ سے استدلال کر کے حاضری دربار مدینہ کا امتناع نکالنا کمال جہالت ہے۔ حدیث کے معنی تحقیقی یہ ہیں کہ علاوہ ان تین مسجدوں کے اور مسجدوں کی طرف کچھ فضیلت و زیادتی ثواب سمجھکر شد رحال کرنا جائز ہے پھر اس بارگاہ عزت و جلال کی حاضری کے کچھ شرائط و آداب کا تذکرہ بھی کر دینا ضروری ہے۔ زیارت قبر نبی کریم کے جانے والے کو تمام خواہشات نفسانیہ اور دنیویہ سے

خالی کر کے چلے۔ ہر وقت درود شریف کو ورد جان بنائے تصور محبوب خدا روحی
والفداہ میں غرق رہے خشوع و خضوع پیش نظر رکھے۔ مدینہ طیبہ داخل ہونے سے قبل
غسل کرے۔ نفیس لباس پہنے ارض مقدس مدینہ کی عزت اور حرم طیبہ کے وقار
وادب کو فرض سمجھتا قدم اٹھائے اور یہ دعا پڑھتا مدینہ منورہ میں داخل ہو بسم
اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی
من لدنک سلطانا نصیراً اللھم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من
زیارت رسولک صلی اللہ علیہ وسلم مارزقتہ لاولیائک واھل طاعتک
واغفرلی وارحمنی یاخیر مسئول ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے
کہ قبر شریف کی طرف جانب قبلہ سے آئے اور قبلہ کو پیٹھ دے کر روضہ مقدسہ
کی طرف منہ کر کے عرض کرے السلام علیک ایھا النبی وبرکاتہ اور ہر دعا و خطاب
کے وقت سرکار کو زندہ دیکھنے والا سننے والا سمجھے۔ پھر سرکار سے طلب شفاعت
کرے اور حضور پاک کے وسیلہ سے حاجت عرض کرے۔ اس مقام پر میں ان لوگوں
پر افسوس کرتا ہوں جو توسل سرکار کے منکر ہیں اور اس انکار کو علمی و مذہبی رنگ میں
دکھانا چاہتے ہیں حالانکہ سرکار اور سرکار کے اصحاب واخیار سے حیات و ممات
میں برابر توسل واستعانت ثابت اور صحابہ و ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس
پر اتفاقی قولی و عملی فتویٰ موجود ہے۔ اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں کہ وہ ہمیں
اپنا عامل احکام بندہ بنائے۔ اور ہمیں ہمیشہ خدمت و محبت و اتباع محبوب مدنی
حبیب عربی نبی بطحی میں سرگرم رکھے آمین آمین آمین۔

دربار کا ساتواں دن

اور

آخری نظارا

طبیعت کے ہیجان کا روک لینا آسان کام نہیں ہے مچلتے دل کو سنبھال لینا
کوئی معمولی بات نہیں۔ ہنگامہ پرست جذبات کا ضبط دشوار ہی نہیں۔ بلکہ ناممکن ہے
ذوق و شوق سے بھرے ہوئے ولولوں کو دبا کر تحمل برتنا مشکل ہی نہیں ممتنع ہے
بے صبر نگاہوں کا قرار سے رہنا مشتاق آنکھوں کا سکون پانا جوش اشتیاق
کا نچلا بیٹھنا جس حد تک سخت اور قوت سے خارج ہے وہ ظاہر ہے" پھر اگر یہ
ہنگامہ خیزیاں ارمان انگیزیاں خاص مذاق کی ابھارنے والی اور کسی ممتاز رنگ
میں ہم رنگ ہوں تو جیسی کچھ شورش دل و دماغ میں نہ پیدا کریں کم ہے۔
وہ دل کا لگاؤ جس میں کوئی فنی یا علمی ذوق بھی ملا جلا ہو کمال دوست اور شرف
خواہ طبیعت کو جتنا پُر شوق نہ بنا دے تھوڑا ہے۔ صحیح ادراک اور سلیم احساس
کے متوالے خیالات جس قدر بھی بے خودانہ وارفتگی سے منزل کمال کی طرف
نہ پیکیں دوڑیں تعجب ہی تعجب ہے۔ آنکھوں دیکھتے یہ تماشے نظر آتے ہیں
ہفتہ بھر سے تجربہ ہو رہا ہے کہ رات جس کیف علمی میں گذرتی ہے۔ صبح سے
شام تک اسی کا خمار سر پرست کئے ہوئے نیم دُھن نرالے حال میں رکھتا ہے
طلوع سے غروب کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ صبح سے رات کے استقبال
کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ سارا جہان رات کی نیند اور آرام کے

بعد صبح کو مصروفیوں اور باکاریوں کا سوچا ہوا گیا دھرا سامان لے کر اٹھتا ہے۔ روز روشن کا چمکتا آئینہ ہر حسن و فن کمال کا جوبن دوبالا کر کے ہر دل اور ہر تخئیل کو تصویر عمل و اداے فرائض منصبی کے مینا بازار و نمائش گاہ معاش و ضرورت کی اداؤں کا شیفتہ بنا کر ہر ایک کو کسی نہ کسی طرف اٹکا دیتا ہے مگر "ہم ہیں اور صبح سے شام تک بیکاری۔ آنکھ کھلتے ہی آنکھ مُندے جھٹ پٹے وقت کا انتظار اور جب تک یہ انتظار ہر کام اس لطف انتظار کے علاوہ ناگوار۔ ہاں اگر کچھ دیر کسی وقت لب کھلتے ہیں۔ تو گذری ہوئی رات کے لوٹے ہوئے لطف کے تذکرہ دن ہیں۔ یا آنے والی رات کے ملنے والے حاصل ہونے والے مزوں کی بے صبری سے استقبال ہیں۔ ادھر اُدھر ٹہلنا صرف اسی لئے ہے۔ کہ ایک جگہ بیٹھ کر گذرتے وقت کی ساعت ساعت کو جلدی جلدی رخصت کرنے کی تکلیف سے چھٹکارا ملے اور جو ساعت آتی جائے اُس کا خیال مدہم رہے ورنہ ہر ساعت مہینوں اور برسوں کی مدت دکھانے لگے گی۔ شہر ویرانہ بستی و محلہ باغ و بازار سے اگر کچھ غرض ہے تو صرف اتنی ہے کہ یہاں وہاں آتے جاتے وقت جلدی جلدی نکل جائے گا وبس" آنے جانے ملنے ملانے والوں سے جو گفتگو ہوتی ہے اور اگر ہم کسی سے کچھ کلام کرتے ہیں تو یہی کہ رات دربار حضرت علم میں لطف رہا۔ یہ مزے آئے ابھی تقریر ہوئی چشم تخئیل نے ایسی ایسی نورانی ہستیاں دیکھیں۔ چھ دن سے یہی رنگ جما ہوا ہے۔ حضرت علم کے فیض سے جلسہ دربار کی برکت سے محترم فضلاء مقربین دربار کی معلومات سے پُر اثر لطائف و حکم دینیہ علمیہ سنکر دماغ خزانہ فضل و کمال بن گیا ہے۔ آج ساتواں دن ہے آخر روز ہے۔ نہ معلوم کس عالی قدر بزرگ کی تقریر ہوگی۔ اب تو متاخرین بلکہ ہمارے

زمانہ کے موجودین میں سے حضرت علم اپنے کسی حامل برکات و فیوض کو پیش
کریں گے۔ کہ یہی انتخاب دستور ارکان دربار نے مستحسن سمجھا ہے کہ ہر چند
اخیر میں متاخرین بلکہ زمانہ موجودہ کے کچھ افراد بھی شان حضرت
صدر جلسہ دکھائیں اور بتائیں کہ اُن کے اسرار و معارف و فیض کے لینے
دینے والے اور پیچھے مستفیضان حضرت علم اس اخیر تیرہویں صدی
تک بھی ہیں جو کمال شان علم کے جوہر اپنے آئینہ تواضع و للہیت میں دکھاتے
وسعت فیض حضرت علم اپنی معلومات سے ظاہر کرتے ہیں اس کے بعد جو
دربار کا نقشہ آنکھوں میں اور گذشتہ نظاروں کی مسرت افزائیاں خیال
میں آئیں۔ تو دل پر ہاتھ اور لب پر آہ آنکھوں میں آنسوؤں نے حسرت
اضطراریہ دکھانے شروع کر دیئے۔ دل کی تڑپ بڑھی اور بیقرارانہ طور پر
آسمان و زمین پر نگاہیں پھیل کر وقت کا اندازہ کرنے لگیں۔ دوپہر ڈھل گئی ہے
تیسرا پہر شروع ہے پیلی پیلی دھوپ زرین شعاعوں کے عکس سے گنگا
جمنی بادلہ منقش کشیدہ جھمکتا چمکتا آنچل بن چلی ہے۔ شام کے استقبال
میں آنے والی نازک اندام ہوا اس زرین آنچل سے اٹکھیلیاں کر کے عالم
کو ایک دلفریب عالم دکھا رہی ہے۔ مسجدوں سے عصر پڑھنے والے نکلے۔ مدرسوں
میں درس ختم ہوا طالبان علم کے گروہ اپنی اپنی قیام گاہ کو چلے۔ شوقین
طبع یہ خوشگوار وقت ایک خاص نعمت سمجھ کر گلزاروں و سبزہ زاروں
میں دل بہلانے فرحت پانے پہنچے۔ اس وقت نے مجھ کو نامسرور کیا کہ اب
دربار کا وقت قریب آچلا اُتنا ہی بے قرار کیا کہ یہ وقت بھی سدِّ راہ یا حجاب
بنا ہوا ہے درمیان سے ہٹے اور جلد سے جلد پھر ہم ہوں اور دربار علم کے
لطف حسرت و شوق داریاں کے دیدوں سے۔ جوش و اضطراب و بیقراری

کی نگاہوں سے سورج کو دیکھا اور دعا مانگی "یا اللہ مغرب کی نماز جلد ہو جائے" اس دعا نے بے خود بنا کر اپنی ہمدردی کا جلوہ دکھایا اور غروب کی مذہبی شہادت یعنی مغرب کی اذان نے ہوش کے عالم میں پہنچایا اور بتایا کہ دعا قبول ہے دل کا مدعا حصول ہے۔ نماز سے فراغت پائی۔ دربار کے لئے تیار ہوتے ہوتے فریضہ عشا بھی ادا کر لیا۔ اب جو سب سے پہلا فرض تھا وہ یہی کہ شاہراہِ تخیل سے سیدھا دربار محل کا راستہ لیا۔ پہنچے اور اچھے وقت پہنچے۔ کچھ دیر اور نہ پہنچتے تو بہت افسوس کرتے۔ اراکین دربار جمع ہو چکے ہیں۔ حاضرین ادب سے گردنیں جھکائے بیٹھے ہیں۔ حضرت علم اُٹھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

حاضرین دربار! آج آخری دربار ہے اس ہفتہ کی مجلس اور اس ہفتہ کا اجتماع آج ختم ہو جائے گا۔ پھر میں کب دوسرا جلسہ ترتیب دوں گا اس کی اطلاع ابھی نہیں دے سکتا۔ اس وقت حسب معمول یہ بتاؤں گا کہ آج کے دربار میں کسی فاضل کی تقریر ہو گی اُن کا نام بتانے سے قبل اتنا اور گذارش کروں گا کہ آپ نے جن فضلاء و مقررین کی تقریریں سنیں۔ وہ اکثر اس تیرھویں صدی سے بہت قبل کی ہیں اور بعض خیر القرون سے نسبت رکھنے والے اور اُس کے نشاں دیکھنے والے ہیں۔ یا اُس کے بعد کے۔ مگر میں آج یہ دکھاؤں گا کہ چودھویں صدی اور قریب قیامت کے دور میں اور پھر ملک ہند میں میرے ایسے فیض یافتہ ہیں۔ جو اپنے حسن سیرت و ادائے صورت میں جلوہ ہائے اسلاف دکھاتے ہیں۔ جو اپنے وسیع نظر کمال تبحر میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ جو ظاہراً و باطناً اخلاقاً و عادتاً میرے متقدمین مستفیض صالحین و علمائے ربانیین کی سچی تصویر ہیں۔ میں اُن سے دل کھول کر ملتا ہوں۔ اور اُن کا دل کھول کر اپنا دریا اُن میں بہاتا

ہوں۔ پھر وہ عالم کو سیراب کرتے اور دنیا کے تشنگان کمال کی مدد کے
لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ مگر کیا ممکن کہ کوئی قدم خلاف میری انکی
شان اور واقعی حسرت کے ڈالیں سب کچھ ہیں مگر اسی قدیم شان عجز و
تواضع و انکسار سے اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے۔ لہذا میں ضرور سمجھتا ہوں کہ تعلیمِ
و عبرتاً للآخرین ایسے صفات سے موصوف اور ایسے دور اور اس صدی کے ایک
فاضل مقرر کو آج کے دربار کے لئے منتخب کروں۔ اور اُن کا نام آپ
کو بتا دوں۔ سنئے وہ بزرگ رتبہ یادگار اسلاف مولانا عبد المقتدر
بدایونی ہیں۔ یہ فرما کر حضرت علم نے مولانا بدایونی سے کہا تشریف لائیے
اور آج کے دربار کو اپنی تقریر سے ختم کیجئے وقت رہا تو آخر تقریر پھر میں بھی کر دونگا
اس کے بعد حضرت علم بیٹھ گئے۔ مولانا بدایونی اُٹھے اور فرمایا۔

تقریر امام المتاخرین حضرت مولانا عبد المقتدر بدایونی

گرامی قدر حاضرین دربار حضرت علم کا دربار۔ اور معزز و عالی مرتب مہمانان حضرت علم کا اجتماع اور اس جلسہ میں میرا تقریر کرنا اس کی غرض اور حضرت صدر صاحب کے اس انتخاب کی وجہ بس وہ ہی ہے جو مجھ سے قبل شیخ المتاخرین حضرت علامہ بحر العلوم فرما چکے کہ اکابر و اساتذہ اصاغر و تلامذہ و مستفیضین سے اپنی برکات کا جائزہ لینا اور عوام میں اپنے فیوض کا ان کو حامل بتانا چاہتے ہیں لہذا ان کو پیش فرماتے ہیں جلسہ دربار کی جلالت شان کا اندازہ حضرات اعظمین رحمہما اللہ کی شرکت اور بیان فرمانے اور امام رازی و امام غزالی و شیخ محدث دہلوی و حضرت علامہ لکھنوی کی تقریروں سے بخوبی ہو رہا ہے۔ پھر ایسی مجلس میں میرا لب کھولنا اور اس بزرگ اشرف صدر مقام پر اس وقت بارادہ تقریر آنا میں ہیچ سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنی حالت اور اگلے فضلائے کبار و عظمائے اخیار مقررین جلسہ دربار کی جلالت کے لحاظ سے نہایت وزنی اور عظیم الشان بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ مجھے یقین ہے کہ یہ سب حضرت علم صدر جلسہ دربار کی مہر ورزی و کرم گستری ہے اور انہیں کے کرم سے میں اس مقام پر اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے حضرت علم اور ان کے اکابر و عظمائے ارکان دربار کا سچا خادم بنائے رکھے اور میرے قلب و دماغ کو اس خطرہ و واہمہ سے محفوظ رکھے کہ میں ان لوگوں کا

ہمسر ہوں۔ عزت والے مقامات پر پہنچکر بہت جلد انسان بھٹک جاتا ہے ہاں اگر اُس کا دل خلوص و للہیت کے سوز و ساز کے مزے اور شان بندگی و انکسار کے لطف سے آشنا ہے تو تائید الٰہی اُس کو اس میدان سے سلامت نکال لے جاتی ہے۔ ورنہ کمال والے اور پڑھے لکھے بھی عجب و نخوت کی بھول بھلیاں میں پھنسکر رہ جاتے ہیں۔ میں جس دور میں ہوں اور میرے زمانہ میں جو رفتار ہے۔ اُس کو دیکھتے ہوئے تو سخت دکھ ہوتا ہے اور اکابر و اسلاف کے حالات و عادات و اخلاق سے نتائج کل کا عالم پیش نظر ہوجاتا ہے۔ عوام کا تو تذکرہ کیا۔ ہم نے اپنے زمانہ میں دیکھا اور تجربہ نے ثابت کردیا۔ کہ شہرت خواہ نفوس میں علما میں خشیت و تواضع و انصاف کی جگہ تشدد و اعجاب بالرائے اور حب تعلّی و سیادت متمکن ہوگئی ہے۔ اپنے لئے القاب عظیمہ اعلیٰ اعلیٰ مناصب اپنے قلم سے لکھ کر اپنے آپ کو ساری دنیا سے بزرگ سمجھکر سب کو اپنا مقلد بنانا چاہتے ہیں۔ متقدمین و متاخرین سب پر معترضات و تنقیدات لکھکر اُن کا اشتہار کر کے قوم میں شائع کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ مخالف کو نرمی سے افہام گویا ہمارے لغت میں لفظ بے معنے ہے۔ دل دعویٰ عصمت کرتا ہے (العیاذ باللہ) کہ حق ہر مسئلہ میں ہماری ہی طرف ہے تقریر میں اسقدر اغلاق کہ اہل اسلام کو خاک فائدہ نہیں۔ بلکہ بجائے فائدہ نقصان کا گمان غالب۔ اور طول اس حد تک کہ ناظر گھبرا کر کتاب چھوڑ دے۔ مسخراپن کا اس قدر چسکہ (توبہ توبہ) کہ سیدھا سادھا اسلامی فقرہ جو بغیر تصنع و تکلف ہو۔ اُس کا ملنا مشکل۔ کوئی ضلع جگت ہنسی پھبتی اور ایہام فحش سے خالی نہیں۔ یہی تو اس دور میں تقریر و تحریر غربا و عوام اہل اسلام کو فائدہ بخش

نہیں۔ اور یہ حالت اُس طبقہ اور اس گروہ کے افراد کی کہی جاتی ہے۔ جو مدعی ہدایت و اصلاح اور دعوے دار علم و تقویٰ و صلاح ہے۔ ہاں تو ان حالتوں کو محسوس کرتے ہوئے ہر مستفیض حضرت علم کا فرض ہے کہ ان کی سچی برکات کے وسیلہ سے خدا سے توفیق خلوص دستان عجز مانگے اور اس کا اظہار کرے۔ میں پھر بھی دعا کرتا اور آپ لوگوں سے سب مسلمانوں کے لئے دعا کا طالب ہوں کہ خدا سب کو سچا خلوص اور سچی برکات حضرت علم بخشے اور ان کو جائز طور پر ظاہر کرنے اور حقیقی حرمت سے برتنے کی توفیق دے آمین۔

اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ چھ دن سے جو اعلےٰ اعلےٰ مضامین آپ لوگوں نے سنے اور جو اسرار و لطائف و حکم حضرات فضلائے مقررین نے ارشاد کئے۔ وہ ہر دینی و مذہبی شاخ کی تعلیم و تزئین کے لئے کافی تھے اب کوئی خاص ضروری الافادہ مضمون میرے ذہن میں نہیں آتا فقہ، و حدیث، و کلام، و عقائد، و تصوف، ان سب فنون دینیہ کی ضروری ابحاث اور اُن کی تحقیقات پوری پوری بیان ہو چکیں۔ ہاں اگر کوئی مضمون خاص طور پر بحث و بیان سے رہ گیا ہے یا میرے ہی لئے چھوڑ دیا گیا ہے تو وہ متعلق قرآن کریم ہے جس پر میں کچھ تقریر کروں گا اور اس کے لئے وہ آیۂ کریمہ تلاوت کروں گا۔ جس میں پہلے صاحب قرآن کے کمالات اور پھر قرآنی کرامات و بینات کا تذکرہ ہے۔ اس تقریر و بیان سے قبل ایک مختصر سی گذارش اور بھی ہے۔ حضرات، مکرر عرض کرتا ہوں کہ نہ میں اس قابل کہ منبر پر بیٹھ کر اکابر کے حضور میں بات چیت کر سکوں نہ اس کی لیاقت رکھتا ہوں کہ اصلاح و فلاح کے مسئلہ میں کوئی مفید و مضبوط

حضرتِ علم

اُٹھے" اور فرمایا:

حاضرینِ دربار۔ میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں نہ کوئی خاص مسئلہ بیان کیا تھا۔ نہ کسی اصولی بحث کو چھیڑا تھا۔ صرف اپنا تعارف چاہا تھا۔ اور اپنا ادبیں دور اور اپنا مختصر سا حال بیان کیا تھا "یونہی آج آخر تقریر میں بھی میں کسی خاص بحث اختلافی پر گفتگو نہ کروں گا۔ بلکہ اپنی اس دور کی موجودہ حالت وصورت پر تبصرہ کروں گا۔

آپ لوگوں نے دیکھا کہ میرے فاضل مقررین اور اس ہفتہ دربار کے معزز اراکین نے میرے کیسے کیسے آثار ونشان دکھائے اور میرے فیوض وبرکات کو کیسی خوبی سے اور کس خوش اسلوبی سے آپ تک پہنچایا۔ اور میری جلالت شان کو کس طرح عالم آشکار کیا۔ بیشک یہی وہ گروہ ہے۔ جس نے میرے بقاؤ دوام وقیام میں اولوالعزمانہ جدوجہد سے کام لیا۔ اور عالم سے منوالیا' دنیا کو تسلیم کرادیا۔ جہاں سے اقرار لے لیا۔ کہ میرے فیض وبرکت کا قیام انہیں کے دم سے ہے۔ انہیں باکمالوں کا فیض وبرکت سے بھرا ہوا زمانہ میرا نام اقطار عالم میں مشہور کر گیا۔ انہیں کے جانفشانیوں اور فنی مصروفیتوں کا عہد علمی تاریخ کا مقدمہ بنا۔ انہیں کے دم سے میری قوت کمال وجلوہ ہائے فضل وجلال نے اپنا دامن شرف وسعت سے پھیلا دیا۔ اور عوام وخواص شاہ وگدا امیر وفقیر پر۔ ویرانہ وآبادی میں غرض ہر طرح اور ہر جگہ میرا رعب ودستار بٹھا دیا۔ میرے لین دین کے لئے جس سلیقہ سے بازار درس وتدریس ان حضرات نے گرم کیا۔ اور جس خوش وضعی وعالی حوصلگی سے میری متاع کی حفاظت وزینت میں ان حضرات نے وقت صرف کیا وہ ظاہر وروشن

ہے اور آج ہر علمی گروہ ، علمی طبقہ ، علمی ملک کو اُن کا زیر بار احسان بنائے ہوئے ہے۔ بیشک میری عظمت کا ہر شعبہ اُس زمانہ میں نہ صرف کامل بلکہ دوسروں کو کامل بنانے والا تھا۔ اور یقیناً میرے مختلف اصناف کمال کے تمام نمونے اور بہترین اجزا اور اشخاص کا کافی عنصر اس دور میں موجود تھا۔ اور ایسے ایسے جامع و متبحر اہل فضل اُس وقت ہو گئے۔ کہ اب زمانہ اُن کی نظیر نہیں لا سکتا۔ اور موجودہ حالت کے اعتبار سے اُن کا ہم پایہ ہم تحقیق ہونا محال عادی سا نظر آتا ہے۔

حضرات! میری غرض اس تقریر سے اس عہد کے قابل افراد پر حملہ کرنا نہیں۔ نہ اگلوں کی توصیف و تعریف اور پچھلوں کی تحقیر و تنقیص میری تعلیم اور مجھے پیش نظر امر ہے۔ میں جو کچھ عرض کروں گا۔ اُس کی غرض یہی ہوگی۔ کہ کوئی بہترین نتیجہ پیدا ہو اور مفید سبق لیا جائے۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں دور عہد گذشتہ کی تاریخ جو کچھ بتاتی ہے۔ وہ یہ ضروری امر ہے۔ کہ میرے حاملین فیوض و برکات نے جو کام کیا۔ اور جیسی کچھ عزت پائی وہ ہوس شہرت طلبی ، اور نمود ی و دنیا کی خاطر سرمغزی سے نہیں پائی۔ انہوں نے نتیجہ عمل دکھانے سے قبل اور خموشی سے کام کرنے سے پہلے شور مچا کر ، دنیا کو بہرا بنا کر ، عالم کا سر پھرا کر ، زمانہ میں اپنی منقبت کے خطبے شائع کرنا ، فخر سمجھ کر ایک ہیجان نا روا برپا نہیں کیا۔ اُن کے فضل و کمال اور جامعیت فنون او قوت عمل ، کا جو معیار تھا وہ یہ کہ کامل بصرو فتوں ، مسلسل و یکسو کوششوں سے تحصیل و تکمیل فن کرتے اُن کی قابلیتوں کی جو سرگزشت تھی وہ تحریری و تقریری شہرت واشاعت کے زیر بار احسان ہو کر قدم بڑھانا نہ چاہتی تھی۔ وہ ظاہری نمائشوں سے سطحی دلفریبیوں سے ، وقتی ہنگامہ آرائیوں سے مجھے حاصل کرنا نہ چاہتے تھے

بلکہ فنی خدمات اور حصول کمال کے لئے لگاتار مشغولیاں جانکاہیاں اُن کا نصب العین تھا۔ وہ لوگ برائے نام ایک ایک دو دو کتابیں پڑھ کر معمولی ورق گردانی کر کر خود کو متبحر نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ ایک ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے پیادہ پا بارہا سالہا سال تک تگ و دو کرتے تھے۔ اُن کی مجلس مذاکرہ کا دروازہ ایک ایک مسئلہ کی تلاش کے لئے ہفتوں بلکہ مہینوں وا رہتا تھا۔ اُن کے ارادوں میں للّٰہیت تھی۔ حوصلہ بلند تھا، ہمت عالی تھی، خود نفع پانا۔ اور مخلوق کو نفع پہنچانا اُن کا مطمح نظر تھا۔ اُن کی فکر سلیم حصول فن و تحصیل کمال میں واقعی خلوص اور حقیقی سچائی کا اثر رکھتی تھی۔ اُن کو ترتیب علوم و تدوین و ترکیب فنون میں ایک روحانی مسرت و لذت ملتی تھی، صرف ظاہری نمائش و داد اُن کا مقصود و منتہائے کار نہ تھا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ جو کام کرتے مکمل ہوتا۔ جس طرف توجہ کرتے مشکل سی مشکل کو حل کر لیتے۔ اور تمام دنیا کو برکات و فیض سے بھر دیتے۔ عالم اُن سے سبق لیتا اور دنیا اُن کی حلقہ بگوش بنتی تھی۔ ہدایت و اصلاح قوم اُن کے دم سے ہوتی اور تکمیل علم و عمل کی شاہراہ پر اُن کا قدم پڑتا۔ ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب وہ اپنی باکمالی سے دم کے دم میں طے کر لیتے اور عالم کو مدارج و مراتب کی رفعت منزل کا سیدھا راستہ دکھا دیتے۔ معاش و معاد کی تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اُن کے اقوال و ارشادات رہبر ہوتے آئین۔ تہذیب و اخلاق و قوانین تمدن اُن کے افعال و معاملات سے بنائے جاتے غرض کہ گذشتہ دور اپنے حسن کمال و کمال حسن سے علمی و عملی مملکتوں کا شہنشاہ بنا ہوا تھا۔

اب زمانۂ موجودہ پر نظر ڈالئے۔ علوم و اسرار کے انکشافات کا دور بتایا جاتا

ہے۔ بیداری و بیدار مغزی و روشن خیالی کا زمانہ مانا جاتا ہے۔ دنیا ترقی کی راہ پر آئی ہوئی کہی جاتی ہے اور زمانہ کو تعلیم یافتہ کا لقب دیا گیا ہے، مگر حقیقت کی آنکھ اور باطن نگر نظر جس فنی شعبہ کو اور علمی پہلو کو دیکھتی ہے تو نقصان و ابتری مجموعہ پائی جاتی ہے۔ کہنے کو علم کی ترقی ہے، علماء کی ترقی ہے۔ مگر نہ علم ہے نہ علماء۔ آئے دن ترقی کی فکریں ہوتی ہیں اتفاقی رائوں سے، مشترکہ دماغوں سے قطعی فیصلوں سے، برسوں کی محنتوں کے بعد اسباب تنزل سمجھ لینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مرض کی تشخیص ہو جاتی ہے۔ علاج شروع ہوتا ہے، ایک صدی کامل یہی جد و جہد رہتی ہے۔ سینکڑوں مالی و دماغی شفاخانے انجمن و کمیٹی، و مجلس کی صورت میں مغربی و مشرقی مشترکہ تدبیروں سے سرگرم علاج ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اشتہارات پرزور دعووں سے شائع ہوتے ہیں اسی ذہنی و غیر واقعی تشخیص کی بنا پر مریضوں کے لئے عمدہ عمدہ غذا، اچھی آب و ہوا، نئے نئے مکان، جدید جدید سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔ مادی فرحتوں جسمانی لذتوں سے ہر ممکن آسائش پہنچائی جاتی ہے۔ پابندی اوقات اور جائز حالات سے بظاہر کامل نگہداشت ہوتی ہے، باوجود ان تمام انتہائی کوششوں اور بہترین تدبیروں کے سو سال بعد بھی وہ مرض جوں کا توں اور وہی ہائے وائے۔ اپنے حال پر نظر آتی ہے۔ غیر ممکن تھا کہ واقعی تشخیص کے بعد نور ایسے مضبوط طریقہ علاج و نگہداشت کے مسلسل عمل اور ایک دراز زمانہ کی فکر و تدبیر سے مسلم مرد بیمار چنگا نہ ہو جاتا۔ لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچنا پڑیگا۔ کہ تشخیص غلط تھی، اور علاج غلط ہوا، ورنہ کچھ تو روگ کم ہوتا۔

غور کیجئے۔ سائنس و ہیئت و تاریخ و جغرافیہ سے سالہا سال دماغ بھر بار رہا، فلسفہ دانِ اہلِ مغرب کی برسوں کانوں میں پڑتے رہے۔ تاریخ شاہد ہے دنیا

وسلاطین کفار کے کارنامے بڑی محنتوں سے محفوظ کئے جاتے رہے۔ چھ سات برس کی عمر سے لے کر نمو کا پورا زمانہ ان محنتوں میں صرف ہو گیا۔ اس کے بعد ملازمت کی دیوی کے سامنے اپنا سر جھکا دیا" جوان ہوتے ہوتے مال دار بھی ہو گئے"۔ غیر مذہب والوں کی سی خو بو" اور ان کی زبان" بھی آ گئی۔ عام ہندوستان یورپ کی جغرافیائی حالت پر خاص نظر بھی پیدا کر لی"۔ نامورانِ ہندو فرنگ کے حالات پر اطلاع بھی پائی۔ بہت سے اقوال و ضرب الامثال دانایانِ و فلاسفرانِ یونان و یورپ کے بھی زباں زد ہو گئے۔ مگر للہ للہ حرمت اسلام پر نظر کرتے ہوئے فرمائیے۔ کیا یہ ترقی مسلمانوں کی امتیازی ترقی ہوئی۔ اور کیا اس ترقی میں حقیقی علم و کمالِ مسلم کی دولت ہاتھ آئی۔ کیا یہ احوال بجائے مسرت دقیق افسوس نہیں۔ کیا ایک مسلمان کے لئے یہ امر قابل ملامت و نفرین نہیں کہ وہ بچپن سے لے کر جوانی بلکہ بڑھاپے تک اپنے علوم وغیرہ سے بے خبر رہے۔ اس کو خدا کے کلام کی ایک آیت بھی سمجھ کر یاد نہ ہو" اس کو رسول اکرم صلعم کے فرامین پر اطلاع نہ ہو۔ اس کو دینی طور پر حلال و حرام جائز و ناجائز نیک و بد کی تمیز نہ ہو اس کو خبر نہ ہو کہ میرے نبی کون تھے کیسے تھے کس شان کے تھے کیا کیا باتیں ان کے متعلق جاننا ماننا ضروری ہیں انہوں نے میرے لئے کیا باتیں ضروری و لازم کی ہیں کس امر سے ڈرایا۔ اور بچایا ہے اور کس طرف بلایا ہے۔ مسلم کا امتیازی نشان کیا ہے۔ اور وہ کونسا علم ہے جو مسلمانوں ہاں صرف مسلمانوں ہی کے پاس خدائی جلال و عظمت اور احکام کی سچی معرفت کا ذریعہ ہے۔

حضرات:۔ اس دور میں جو دینی کمزوریاں روز بروز پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ اس کا راز یہ ہے۔ کہ تعلیم کا علم و کمال تو غفلت شعاری کی نذر

ہوا۔ نادانی و ناواقفی نے غیروں کے توہمات اور غیر مسلم جذبات خیالات کو دماغ میں بھر دیا۔ ساتھ ہی خود رائے کر دیا۔ اب ایسے ہی دماغ سے ہر دینی مسئلہ کا فیصلہ ہونا بھی ضروری ہے ورنہ تحقیق جدید اور نئے نئے علوم و فنون کی شان گھٹتی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ ابحاث جن میں رازیؒ و غزالیؒ جیسے جامع وجود مدتوں تدبر و تفکر کیا کئے آج ہر ہر شخص اُن میں دخل دینے کو تیار ہے۔ عام اس سے کہ جس فن کا مسئلہ ہے۔ اُس کے متعلقات، و لوازمات، مقدمات کے اسماء اوصاف سے بھی بے خبر ہو۔ اُس کو اس سے غرض نہیں۔ کہ جو کہا جائے گا۔ وہ کہاں تک حکم خدا اور رسول و قواعد شرعیہ دینیہ کے مطابق ہوگا اور عدم مطابقت دارین میں کیا کھوج کھوئے گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بھائیو! چاشنی طبع کے لئے یا ضرورت دنیا کی خاطر جس علمی و عملی کمال کو چاہو۔ حاصل کرو۔ مگر اپنا اسلامی امتیاز نہ مٹنے دو۔ خدا اور رسول کا جاننا ماننا احکام دینیہ سے باخبر رہنا اپنا اولین فرض سمجھو۔ دیکھو اور سوچو، غور کرو۔ اور سمجھو " کہ تمہاری اصلی ترقی تمہارے دینی اتباع اور سچی خدا پرستی سے وابستہ ہے۔ اے مسلم" تو دنیا میں خدائی جلال و کمال کا مجسمہ ہے۔ اے مومن" تو جمال توحید کا آئینہ ہے " تو خدا کے لئے ہے اور خدا اور اُس کی خدائی تیری " اپنی وسعت شرف کو تنگ نہ کر اپنی غیر محدود طاقت کو قاصر نہ سمجھ اپنے روحانی چمکتے جوہر کو مادیات کے گرد و غبار سے تاریک و دھندلا مت کر تیری ہستی قدرت کا راز ہے اس راز کو سمجھ اور اپنا حقیقت شناس ہو۔ تیرا سچا علم و کمال وہی ہے جسکو منبع نبوت سے تعلق ہے۔ تیری ترقی یہی ہے کہ تیرے قدم پیچھے ہٹتے ہٹتے تیرے سر کو تیرے نبی کے نشان قدم سے جا لگائیں " اس کے سوا نہ کوئی علم، علم ہے۔ نہ کوئی کمال، کمال ہے اور نہ کوئی ترقی، ترقی، اس کے

بعینہٖ اس طبقہ اور گروہ کو بھی دیکھئے جو مدعی قدامت پسندی اور اتباع اسلاف ہے اور جس نے علوم و فنون شرعیہ دینیہ کی تحصیل و اشاعت اپنا فرض سمجھ رکھا ہے۔ یہاں جو خانہ خرابی کا عالم ہے وہ عجب رنج وہ سانحہ ہے یہاں عالم کہلانے عالم ہو جانے کا معیار فقط چند کتابیں پڑھ لینا اور سالانہ سندیں حاصل کر لینا ہے۔ مدرسین و طلبا سب کے سب ایک مضحکہ خیز حالت میں مبتلا ہیں، الا ماشاء اللہ۔ ایک بے ڈھنگا سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔ ایک بے عنوان رفتار ہے جو قدم لپکائے جاتی ہے" اس سے غرض کہ مفاد کیا۔ اس پر نظر کہ نتیجہ کیا ہوگا، اور یہ تعلیم کس قابل بنائے گی۔ زمانہ موجودہ کے اکثر مدارس مجبوراً یہ عینی شہادت دیں گے۔ کہ ان کے فارغ التحصیل طلبہ کتاب اللہ العظیم کے ایک ورق کا صحیح بامحاورہ ترجمہ نہیں کر سکتے۔ یا تفسیر و تحقیق کے نکات و باریکیاں سمجھنا تو بڑی بات ہے۔ فقہ کی جزئیات ضروریہ اور قواعد کلیہ اور انکے علل و حکم کی اطلاع تو ان کے لئے " ان ھذا لشیٔ عجاب" بنی ہوئی ہے کہیں ابتدائی چند کتابیں پڑھنے پڑھانے کے بعد درس حدیث شریف شروع ہو جاتا ہے، عام اس سے کہ متعلقات و علوم لازمۂ حدیث سنے بھی نہ ہوں اسرار و معارف حدیث سمجھنے کی استعداد ہو بھی یا نہ ہو بلکہ چاہے صحیح ترجمہ بھی نہ کیا جاتا ہو۔ اس حدیث خوانی سے جو غارتگر اور مضر دین نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ وہ قوم میں ضلالت پھیلانے اور مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں کہیں صرف منطق و فلسفہ کی طرف میلان ہے اور علوم شرعیہ کو ہلکا پھلکا سمجھ لیا گیا ہے۔ جس سے اکثر اسرار فقہیہ اور معارف دینیہ اور لطائف روحانیہ کی طرف توجہ قاصر و ناقص رہتی ہے، اور علم کا حقیقی ذوق نہیں ملتا۔ اور انگلوں کا سا تبحر نظر نہیں آتا۔ اس زمانے میں ہر ایک شہر میں بلکہ قصبات

دوسیات میں بھی مدارس دینیہ قائم ہیں۔ درس ہوتا ہے" طلبہ کا ہجوم رہتا ہے مسلمانوں کی افلاس زدہ قوم جیسے بنتی ہے مالی مدد کرتی ہے۔ سالانہ ہزاروں روپیہ خرچ پڑتا ہے۔ اگر صرف ہندوستان کے تمام عربی مدارس کے سالانہ آمدوخرچ پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً ایک متوسط ریاست کا مالیہ ہوگا۔ اگر ان مدارس کی سالانہ اوسط حاضری طلبہ و مستفیض کو شمار کیا جائے۔ تو ایک متوسط شہر کی مردم شماری کا اوسط پڑے گا۔ اس کے بعد اگر یہ سوال کیا جائے کہ اتنے خرچ کے بعد ایسی کثیر تعداد میں سے ہندوستان کے عربی مدارس نے متقدمین جیسے کے فاضل متبحر وجود پیدا کئے۔ تو غالباً بلکہ یقیناً ایک بھی رونمائے عالم نہ ہو سکے گا۔ اور سوا حسرت ناک جواب کے اور کوئی صدا سننے میں نہ آئے گی۔ اس کا سبب یہی ہے کہ نہ اگلا سا طرز تعلیم ہے نہ اگلوں کی سی غرض تعلیم و تعلم" نہ وہ سچی نیتیں ہیں" نہ وہ باخلوص ہمتیں۔ ہاں۔ زبانی للکار اور پکار ضرور ہے۔ کہ ہمارا مدرسہ ابوحنیفہؒ کے سے فقیہ" رازیؒ جیسے متکلم بخاریؒ جیسے محدث وغیرہ وغیرہ پیدا کرے گا۔ مگر مجلس توازن و میدان عمل میں یہ تمام چیخ پکار ایک وہمی صدا اور ہوائی ندا ثابت ہوتی ہے۔

حضرات:۔ میں اس حال کو بیان کرتے بھی شرم کرتا ہوں۔ اور دل ہی دل میں روتا ہوں۔ کہ اس دور میں کس کس طرح بدنام کیا جا رہا ہوں۔ جہل و نقصان کا نام علم و کمال رکھا گیا ہے۔ کمالات علمیہ اور معارف روحانیہ حاصل کرنے کے لئے جن شرائط و خصائل کی ضرورت تھی۔ وہ مفقود۔ "العلماء ورثۃ الانبیاء" بننے کے لئے جیسی خشیت" تواضع" اخلوص" للہیت" عجز" انکسار" استقلال" حزم" احتیاط کی حاجت تھی۔ وہ اب کس

میں ہے۔ ایک آبادھاپی کا عالم ہے۔ نہ مہارت و تجربہ ذوق تحقیق، و شوق تحصیل، اُس پر ستم بالائے ستم یہ کہ "محقق وہادی، موجد و مجدد" ہونے کا دعوئے، "مصلح قوم و خادم دین بننے کا ادعا، نتیجہ یہ کہ ضلوا فاضلوا ارشاد مخبر صادق کا ظہور۔ اور ایسے ہی وجودوں اور خود ساختہ علماء سے مخلوق میں پراگندگی افعال و اعتقادیات کا شیوع۔ ہائے یہ حالت کتنی لائق تبدیلی اور محتاج اصلاح ہے۔ ہم اس سے بھی بے خبر ہیں۔ قرب قیامت ہے للہ بھائیو! اپنے کو سنبھالو دیکھو" ایک دن آتا ہے کہ میں علم فریادی ہو کر تمہارا گریبان پکڑوں گا۔ خدائے قہار و رسول مختار کا سامنا ہوگا۔ میں ان کا نازوں کا پالا اُن کے سامنے خاک افتادہ ہوؤں گا۔ میری بہتر صورت بُرا حال اور تباہی آمیز نقشہ دکھا کر تمہارے رسول سے تمہاری شاکی ہوگی، وہ رسول جس نے اپنا عزیز مہمان اور ناز پروردہ بتا کر مجھ کو تم میں چھوڑا تھا۔ میں اُسی سے تمہارے شکوے کروں گا" اور اپنی آخر دور کی تباہی و بربادی و کس مپرسی پر آنسو بہا کر اپنی بیکسی کا مرثیہ اُسے سناؤنگا کیا وہ وقت تمہارے لئے سخت سے سخت نہ ہوگا۔ جبکہ خدانخواستہ تمہاری غفلتوں پر تم سے تمہارا رسول سوال کرے گا۔ باز پرس کرے گا، اپنے احسان جتا کر اپنے عزیز مہمان کی جلالت شان بتا کر تم سے مطالبہ خواہ ہوگا۔ اور تمہاری ناقدریوں پر متاسف نظر آئے گا۔ ڈرو، ڈرو، اور اب بھی غفلت سے باز آؤ، میرا حق سمجھو، اور حقانیت سے مجھے اپنے رسول کی سچی نشانی اور باعث فلاح آخرت متاع سمجھ کر حاصل کرو۔ اپنے کردار کو درست کرو۔ اپنے اعمال افعال اعتقادیات کو سنوارو۔ اللہ للہ مجھے بدنام نہ کرو۔ دیکھو" میری غرض دربار کے انعقاد سے فقط یہی ہے۔ کہ تم فیض یافتگان بارگاہ

رسالت اور میرے سچے قدردانوں کو آنکھوں سے دیکھ لو کانوں سے اُن کی
معلومات سُن لو اور سمجھ لو کہ وہ کس پایہ اور کس عظمت وشان کے انسان اور
کیسے خاص وخاص وحسد اور رسول کے مقرب و برگزیدہ تھے اور اُن کے
اخلاق وحالات ومعاملات کیسے تھے ؟ انہوں نے کس طرح مجھے لیا۔ اور
کس طرح پھر عالم نے اُن سے مجھ کو حاصل کیا۔ تم بھی وہ ہی طریقہ اپنے
اسلاف کا برتو تم بھی اُسی راہ پر قدم ڈالو۔ تم بھی اسی طرح ویسے ہی باکمال
بن جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے اور رسول کریم اور اُن کے آل اصحاب واخیار
امت تم سے دونوں عالم میں راضی ہوں۔

والسلام
عبدالماجد

تمت بالخیر

تیغ کمال

اگر آپ کو غازی اعظم مصطفےٰ کمال کی مفصل سوانح عمری یونان کے برخلاف مسلمانوں کی کوشش اور فتح کے منظر دیکھنے ہیں تو اس کتاب میں دیکھئے۔ جس میں یورپ کی سازشوں کے از ملکہ کون کوئسٹ کا عشق اور غازی اعظم پر فریفتگی کی داستان اس قدر دلچسپ ہے کہ ناظر متعجب ہو جاتا ہے۔ اتحادی شہزادوں کا ملکہ پر فریفتہ ہونا اور شادی کی درخواست کرنا یہانتک کہ انکار پر قید کرنا اور قتل کا حکم دینا۔ ملکہ کا دمِ آخر اور مصطفےٰ کمال کا پہنچکر جلاد کو قتل کرنا ایسے ہوشربا مناظر ہیں کہ دیکھ کر ہوش اُڑ جاتے ہیں۔ یونان کے درد انگیز مناظر اور علامہ راشد الخیری دہلوی مدظلہ، کا قلم کتاب نہیں ایک جادو ہے۔ جو پڑھنے والے کو ساکت کر دیتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے .. .. (عہ۸/)

عروس کربلا

کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم درد انگیز نہیں اس پر مولانا راشد کی قلم نے قیامت ڈھا دی ہے۔ مصر کے مشہور عیسائی مُصنف جرجی زیدان نے جو معرکہ کربلا کے حالات ناول کے پیرایہ میں بیان کئے ہیں اور جس کا ترجمہ لکھنؤ کے کسی بزرگ نے کیا ہے۔ یہ کتاب اس کا مدمقابل ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے .. .. (عہ۸/)

جوہرِ قدامت

دو بہنوں کی پر لطف کہانی۔ دو عورتوں کی جگر خراش داستان ہے جس میں۔ ایک دورِ جہالت کی درخشندہ تصویر اور دوسری طرز جدید کی شیدا اور دلدادہ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ عالم نسوان آج سے پچاس سال پہلے کیا جوہر رکھتا تھا مسلمان گھروں میں اس وقت کیسے کیسے لال گودڑیوں میں چمکتے تھے اور مغربی رو ان کو کس سمت لیجا رہا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے .. .. (عہ۸/)

پتہ۔ منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ منڈی بہاؤالدین۔ پنجاب

یاسمین شام

توحید و عیسائیت کی معرکہ آرا لڑائیوں کی کیفیت۔ فتح و شام مسلمانوں کی شجاعت۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز فراری و شکست کا خاکہ نہایت دلکش پیرایہ میں کھینچا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

موؤدہ

مسلمان جہاں اور احکام الٰہی سے ہزاروں کوس دور جا پڑے ہیں اسی طرح بدنصیب لڑکیوں کی پیدائش میں بھی وہ اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور نوبت یہانتک پہنچگئی ہے کہ شرح اسلام کا فیصلہ پس پشت ڈالکر مسلمان لڑکیوں کو کلام الٰہی کے خلاف ترکہ سے محروم کر کے رواج کو ترجیح دیتے ہیں یہ کتاب اسی خرابی کے انسداد پر لکھی گئی ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸؍)

فلسفہ خواب

جس میں حسب تحقیق علمائے اسلام مسئلہ خواب پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ جس میں خواب کے بارے میں فلاسفہ قدیم کے تمام مختلف خیالات کو عام فہم سلیس اور واضح طور پر یکجا کر دیا ہے۔ جہانتک ہمارا خیال ہے اس موضوع پر اردو زبان میں ابتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مؤلفہ مولوی محمود علی خان صاحب انڈر سکرٹری محکمہ تعلیم ریاست بھوپال قیمت ۱۰؍

سات ستارے

اس کتاب میں سرزمین پنجاب کے سات درخشندہ سیاروں حضرت فرید الدین گنجشکر ؒ حضرت مادھو لال حسین ؒ حضرت وارث شاہ صاحب ؒ مصنف ہیر رانجھا۔ حضرت سائیں بلھے شاہ صاحب ؒ چھجو بھگت صاحب۔ پورن بھگت صاحب۔ گورو رامداس صاحب کے حالات نہایت تحقیق سے درج کئے گئے ہیں۔ قیمت تیرہ آنے ... ... (۱۳؍)

رسالہ علم لدنی

حضرت امام غزالی ؒ کی تصنیف ہے۔ تصوف کی جان ہے مترجمہ مولوی غلام ربانی صاحب بی۔ اے علیگ۔ قیمت چار آنے

ملنے کا پتہ: منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین۔ پنجاب

دُخترِ ناز یہ خالدہ ادیب خانم کے مشہور اور تازہ ترین ناول "قمیص من نار" آتشیں قمیص کا اردو ترجمہ ہے جس کی نسبت ترکی مشہور خبار اقدام لکھتا ہے کہ ہماری سب سے بڑی ادیب سیدہ خالدہ ادیب خانم کے متین ترین تحریرات میں سے ہے۔ جن لوگوں نے صدائے شکایت بلند کی تھی کہ مؤلفین نے اناطولیہ میں ہمارے قومی جہاد کے حالات و واقعات کا نقشہ اُتارنے میں کوتاہی کی اس ناول "قمیص من نار" کے مطالعہ سے ان کے جذبات کو کماحقہٗ ایک تسلّی ہو گی۔ اناطولیہ کے مجاہدین غازیوں اور شہدا کی میدانِ ادب میں دائمی یادگار ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ... ... (عہ)

اکابرِ قوم مُلک ہندوستان میں کوئی مُسلمان گھر اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہیئے اور مُسلمان کو یہ کتاب کم از کم ایک مرتبہ ضرور پڑھ یا سُن لینی چاہیئے۔ اس کتاب میں مُسلمانوں کے عالموں۔ امیروں اور فقیروں کے پوست کندہ حالات اور نہایت دلچسپ واقعات بغرض اصلاح بیان کئے گئے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے بعد کہ "مُسلمانوں کے ہر سہ مذکورہ پیشرو یا پیشوا آجکل اچھی حالت میں نہیں ہیں اور اسی لئے قوم کا بڑا حصہ جس کو طبقۂ عوام کہا جاتا ہے۔ ان عالموں امیروں اور درویشوں کی تقلید میں شاہ راہِ ترقی اور جادہ مستقیم سے جُدا ہو گیا ہے"۔ مُسلمانوں کو نہایت قیمتی مشورہ دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر امیر سے لے کر فقیر تک اور اُمّی و عامی سے عالم و فاضل تک ہر شخص اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ مُصنّفہ مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی۔ قیمت چھ آنے

آداب المریدین پیر و مُرید کے تعلقات اور آداب پر بہترین کتاب ہے مترجمہ مولوی غلام ربانی صاحب لودھی۔ قیمت ۳

ملنے کا پتہ: مینیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین پنجاب

باہتمام مولوی عبد الرشید صاحب السلامیہ سٹیم پریس میں چھپی و سواد اعظم لاہور